امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

نقیب

ہفتہ وار

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 62/72

مورخہ ۲؍محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق یکم؍اگست ۲۰۲۲ء روز سوموار

شمارہ نمبر 28

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، یادوں کے چراغ
■ اخوت کا بیاں ہوجا محبت کی زباں ہوجا
■ ماہ محرم الحرام سے ہجری سال کی ابتداء کیوں؟
■ سورۂ عصر اور کامیابی کی چار منزلیں
■ اسلام اور مغربی تہذیب
■ غزوۂ بنو مصطلق میں منافقوں کی شرارت
■ اخبار جہاں، ہفتہ، فقہ، طب وصحت

بین السطور

سماجی زندگی میں خاندانی نظام اور اس کے مسائل

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

سماج کی سب سے چھوٹی اکائی خاندان ہوتا ہے، فرد سے خاندان اور خاندان سے سماج وجود میں آتا ہے، خاندان کو انگریزی میں فیملی اور عربی میں اُسرۃ کہتے ہیں، اسرۃ الانسان کا مطلب انسان کا خاندان ہوتا ہے جس میں والدین، بیوی بچے اور دوسرے اقربا بھی شامل ہوتے ہیں، خاندان کا ہر فرد ایک اکائی ہونے کے باوجود خاندان سے رشتوں کے اعتبار سے جڑا ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے خوشی وغمی میں مربوط رہتا ہے، اس ارتباط سے ایک کو دوسرے سے قوت ملتی ہے اس لیے اس کو اسرۃ کہتے ہیں، کیوں کہ اس لفظ میں قوت وطاقت کا مفہوم پوشیدہ ہے۔

میرے علم ومطالعہ کی حد تک قرآن کریم اور فقہاء کرام کے یہاں یہ لفظ مستعمل نہیں ہے اس کی جگہ آل، اہل وعیال، ذریۃ، ابن، بنت وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، موجودہ دور میں اسرۃ کا اطلاق مرد، اس کی بیوی اور اس کے ان اصول وفروع پر ہوتا ہے، جس کا نفقہ اس کے ذمہ ہو، البتہ ابوجعفر نحاس صرف مرد کے پدری رشتہ دار کو ''اسرۃ'' مانتے ہیں، جو بدیہی طور پر صحیح نہیں ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اللہ ورسول سے سب سے زیادہ محبت کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں باپ، بیٹا، بھائی، بیوی اور قبائل کا ایک ساتھ ذکر موجود ہے، جن کی محبت زیادہ انسان کے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے، اس اعتبار سے دیکھیں تو خاندان میں یہ سب آجاتے ہیں، البتہ ان میں سے بعض کا نفقہ واجب ہوتا ہے اور بعض کا نہیں، بعض کی کفالت ضرورتا کی جاتی ہے اور بعض اس دائرے سے بھی باہر رہ جاتے ہیں، لیکن خاندان کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے، ہمارے یہاں کا یہ عرف عام ہے اور فقہ میں عرف عام کا بھی اعتبار ہوتا ہے، بخلاف مغرب کے کہ ان کے یہاں فیملی کا مطلب میاں بیوی اور بیٹے، بٹیاں ہوا کرتے ہیں، ان کے خاندان میں والدین کی جگہ نہیں ہوتی ہے یا تو وہ اکیلے رہتے ہیں یا انہیں اولڈ ایج ہوم میں ڈال دیا جاتا ہے، اسلام میں سماجی زندگی میں جو خاندانی نظام اور خاندانی ڈھانچہ ہے اس کا والدین کے بغیر کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ خاندانی نظام سماج میں دو طرح رائج ہے، ایک مشترکہ خاندانی نظام اور دوسرا انفرادی خاندانی نظام۔

مشترکہ خاندانی نظام میں ایک میاں بیوی کے تمام لڑکے، بلکہ بسا اوقات بھائی اور بچے ان کے بھی ساتھ ہوتے ہیں، اس نظام میں اگر آپس میں الفت ومحبت رہے اور چھوٹی چھوٹی رنجشیں حائل نہ ہوں تو مشترک ہونے کی وجہ سے یہ بڑا طاقتور ہوتا ہے، لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں کرتے، اس لیے کہ ان کی لاٹھی مضبوط ہوتی ہے اور مالی اعتبار سے بھی وہ عموما فائق ہوتے ہیں، اور وہ اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ دیہاتی زبان میں ان سے ''پھریانا'' آسان نہیں ہوتا اس لیے لوگ ان سے خوف کھاتے ہیں اور ان کی قوت کی وجہ سے ان پر کوئی ظلم نہیں کرسکتا۔

اس نظام کی چند خرابیاں بھی ہیں، اس میں خاندان کے بہت سارے ارکان دوسرے کی کمائی پر بھرسہ کرنے لگتے ہیں، ایک کماتا ہے اور سب بیٹھ کر کھاتے ہیں، اس کی وجہ سے خاندان کے بہت سارے افراد کاہل ہوجاتے ہیں اور وہ معاش کے حصول میں تگ ودو کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

دوسری خرابی اس مشترکہ خاندانی نظام میں یہ ہے کہ شریعت کے پردہ کے اصول پر عمل یہاں دشوار ہوتا ہے، ایک آنگن اور ایک چہار دیواری میں رہنے کی وجہ سے پردہ کا نظام باقی نہیں رہتا اور کبھی کبھی اس بے پردگی اور غیر محرموں سے اختلاط کی وجہ سے بہت سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں، خصوصا آج کے دور میں جہاں رشتوں کا احترام باقی نہیں ہے اور رشتوں کی پاکیزگی کو تار تار کرنے کے واقعات کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں، بظاہر مشترکہ خاندانی نظام میں اختلاط سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

تیسرا نقصان یہ ہے کہ مشترکہ خاندان میں فیصلہ لینے کی قوت کم ہوجاتی ہے اور نفسیاتی طور پر وہ کمزور ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ مشترکہ خاندان میں فیصلے گھر کے گارجین لیتے ہیں اور اسی فیصلے پر سب کو چلنا پڑتا ہے، گارجین کے یہ فیصلے کبھی تو مشورے سے ہوتے اور کبھی بغیر مشورہ کے ہی خاندان کے مفاد میں فیصلہ لے لیا جاتا ہے، اس سے خاندان میں اجتماعی مزاج پیدا ہوتا ہے اور سمع وطاعت کی ڈور میں سارے افراد خانہ بندھے ہوتے ہیں یہ مشترکہ خاندانی نظام کا ایک مثبت پہلو ہے۔

اس کے مقابلے جو انفرادی خاندان ہوتا ہے، اس میں آپس میں ربط وہم آہنگی کی کمی ہوتی ہے، ایک دوسرے سے حسد اور جلن کا مزاج پیدا ہوتا ہے ہر افراد خود کو آگے بڑھانے کے جذبہ سے سرشار ہوتا ہے، یہ جذبہ اس قدر بڑھا ہوتا ہے کہ حلال وحرام کی تمیز بھی مٹ جاتی ہے اور ترکہ وغیرہ کی تقسیم میں بھی لوگ آنا کانی کرنے لگتے ہیں، اس کا یہ فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ خاندان کے افراد میں خود کمانے کھانے آگے بڑھنے اور اپنے مفادات میں فیصلہ لینے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے، انہیں سربراہ اور گارجین بننے کے لیے اپنے سے بڑے کی موت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا اور وہ بڑوں کی موجودگی میں ہی اپنے بیوی، بچوں کے گارجین ہونے کی حیثیت سے بڑے ہوجاتے ہیں، انفرادی خاندانی ڈھانچے میں جھگڑے لڑائی کا مزاج بھی کم ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کے ساتھ رہنے والے ان کے دست نگر ہوتے ہیں اور جھگڑے کے لیے دوسرا کوئی موجود نہیں ہوتا۔

مشترکہ خاندانی نظام میں ساس، بہو، نند، دیور وغیرہ کے جھگڑے عام ہوتے ہیں، امراء کے یہاں چوں کہ کسی چیز کی محرومی نہیں ہوتی، ان کے یہاں وافر مقدار میں دولت ہوتی ہے، جس سے گھر کا ہر فرد اپنے ذوق کی چیزیں خرید لیتا ہے اور بات آگے نہیں بڑھتی؛ لیکن اوسط آمدنی والے یا غریب خاندان میں قوت لایموت کے ساتھ زندگی گذرتی ہے، ایسے میں من پسند آرائشی چیزوں کے لیے گنجائش یا تو ہوتی نہیں ہے اور ہوتی ہے تو کم ہوتی ہے، چنانچہ چِک چِک شروع ہوتی ہے اور پورا خاندان اس کی زد میں آجاتا ہے۔

خاندانی نظام اور خاندانی ڈھانچہ میں بیوی کی حیثیت مرکزی ہوتی ہے، مرد کی قوامیت اپنی جگہ، لیکن گھر پُرسکون رہ ہی نہیں سکتا اگر گھر کی خاتون بدسلیقہ، زبان دراز اور پھوہڑ ہو، یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ جنوبی ایشیا کے ممالک جہاں خاندان میں مرد کو اہمیت دی جاتی ہے، مسلمان اور اسلامی ممالک جہاں ''الرجال قوامون علی النساء'' کی جڑیں بہت گہری ہیں وہاں بھی مردوں پر تشدد اور استحصال روزمرہ کی بات ہے، مغربی ممالک میں جو کچھ مردوں کے ساتھ ہو رہا ہے اس کا تو ذکر ہی فضول ہے، برطانیہ کی ایک غیر سرکاری تنظیم مین کائنڈ (Menkind) ہے جس کی ایک رپورٹ کے مطابق گھریلو تشدد کے متاثرین میں ہر تین میں ایک مرد ہوتا ہے، اس تنظیم کا یہ بھی ماننا ہے کہ مردوں کا خواتین کے ذریعہ جذباتی، جسمانی، دماغی اور معاشی استحصال ہوتا ہے، یہ تعداد زیادہ بھی ہوسکتی ہے، کیوں کہ مردوں میں تشدد برداشت کرنے کا خاموش مزاج ہوتا ہے، وہ اسے دوستوں کی مجلسوں میں بھی بیان کرنے میں شرم، جھجھک، خوف اور قباحت محسوس کرتے ہیں، کیوں کہ ان واقعات کے بیان کرنے سے دوستوں میں ان کا وزن کم ہوتا ہے اور مذاق کا موضوع بن جاتے ہیں۔

مرد کی قوامیت کی ایک وجہ اللہ رب العزت نے عوتوں پر ان کے ذریعہ انفاق مال کو قرار دیا گیا، اب ایسی بیویاں جو متمول گھرانوں کی ہوتی ہیں یا ملازمت پیشہ ہوتی ہیں، ان کے شوہران کی کمائی پر گذارا کرتے ہیں، عورتوں کا نفقہ بوجہ نکاح مرد پر ہے، لیکن یہاں معاملہ الٹا ہوتا ہے، مرد عورت کے نفقہ پر پلنے لگتا ہے، ایسے میں اس کی حیثیت زرخرید غلام کی ہوجاتی ہے، اگر اس نے شادی میں تلک جہیز لیا ہوتا ہے، اس میں مزید پختگی آجاتی ہے، ایسے شوہر کی مصیبت صرف بیوی تک محدود نہیں رہتی، بیوی کے سارے خاندان والے موقع بموقع لعن طعن کرتے رہتے ہیں، اور عورت اپنے میکہ والے کے کہنے پر شوہر کے لیے نئی نئی مصیبیں کھڑی کرتی رہتی ہے۔

مردوں پر گھریلو تشدد کرنے والی عورتوں کی ایک قسم وہ ہوتی ہے، جسے لو ''میرج'' کے نام پر بیوی بنایا جاتا ہے، محبت، پیار، عشق کبھی اچھی چیز رہی ہوگی، ان دنوں لڑکیوں اور عورتوں کے حوالہ سے یہ ہوسنا کی کا دوسرا نام ہے، دراصل یہ جسم کی بھوک ہے، شادی کے بعد جسم کی یہ بھوک مٹ جاتی ہے تو مرد کے ہر کام میں خامی نظر آنے لگتی ہے، پھر حالت یہ ہوجاتی ہے کہ پہلے سال شوہر بولتا رہتا ہے، بیوی سنتی رہتی ہے، دوسرے سال بیوی بولتی ہے، شوہر سنتا ہے اور تیسرے سال دونوں بولتے ہیں اور پورا محلّہ سنتا ہے، اس قسم کی عورتیں اپنے بچوں کو بھی اپنے ساتھ کر لیتی ہیں اور شوہر اس قدر مظلوم ہوجاتا ہے اس کے لیے گھر میں رہنا محال ہوجاتا ہے، میں ایک ایسے خاندان سے واقف ہوں، جس کے شوہر نے ایک مکان میں رہتے ہوئے ڈھائی برسوں سے اپنی منکوحہ کا چہرہ نہیں دیکھا، سارے بچے بھی ماں کے ساتھ ہیں، ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں اور شوہر گھر کے برآمدے کے ایک حصے میں کس مپرسی کی زندگی گذار رہا ہے۔

خاندان کے ٹوٹنے، بکھرنے کے جو اسباب وعلل ہیں، ان میں لڑکیوں کی اسلامی تعلیم وتربیت سے دوری بھی ہے، وہ اپنے شوہر کو وہ مقام دینے کو تیار نہیں ہیں جو شوہر کو اسے دینی چاہیے، لڑکیوں کے مدارس میں بھی جو کچھ انہیں پڑھایا جا رہا ہے اس سے وہ ان بیلنس ہو رہی ہیں، ان میں اپنے حقوق کے تئیں حساسیت زیادہ آجاتی ہے اور فرائض کا خیال باقی نہیں رہتا، اس لیے عالمہ، فاضلہ لڑکیوں میں بھی طلاق کا تناسب کم نہیں ہے۔ خاندانی نظام میں مرد کی قوامیت تسلیم کرنے کے باوجود ان دونوں کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے، ''ھن لباس لکم وانتم لباس لھن'' ان دونوں کے درمیان الفت ومحبت رہے گی تو خانگی زندگی پُرسکون گذرے گی، ورنہ گھر جہنم کا نمونہ ہوجائے گا۔ اللہ رب العزت نے گھر کو ٹینشن فری زون بنایا ہے، جس کی طرف ''وجعلنا بینکم مودۃ ورحمۃ'' کہہ کر اشارہ کیا ہے، ہمیں اس اشارہ کی معنویت کو سمجھنا چاہیے۔

اللہ کی باتیں----رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

ایمان واعمال کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا

”وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضاً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ“ (سورۂ انعام:۱۲۹) اور ہم ظالموں میں سے ایک کو دوسرے پر ان کی شامت اعمال کی وجہ سے مسلط کردیتے ہیں۔

مطلب: حق تعالیٰ سبحانہ روز محشر میں لوگوں کو ان کے اعمال واخلاق اور کردار کی بنیاد پر اجتماعیت قائم کریں گے، یعنی جو فرمانبردار اور نیک بندے ہوں گے وہ مسلمانوں کے رفیق وساتھی ہوں گے اور جنت کے باغوں سے لطف اندوز ہوں گے اور جو مشرک ونافرمان، گنہگار وبدکردار ہوں گے، وہ نافرمانوں اور بدکرداروں کے ساتھ ہوں گے، چاہے ان کے درمیان کسی بھی طرح کے رنگ ونسل اور زبان وعلاقے کا فرق کیوں نہ ہو وہ سب یکجا ہوں گے اور سب اپنے کرتوں کی سزا پائیں گے، قرآن مجید میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ”وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ“ لوگوں کے جوڑ اور جماعتیں بنادی جائیں گی تاکہ سب آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر شرمندہ ہوں اور ندامت کے آنسو بہائیں، یہی دنیا کا بھی دستور ہے کہ نیکوکار کی دوستی اکثر نیک لوگوں سے ہوتی ہے اور بدکردار اپنے بدکرداروں سے ہی محبت وتعلق رکھتا ہے، گویا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ بعض ظالموں کو دوسرے ظالموں کے ساتھ کرکے جہنم میں ڈالا جائے گا گرچہ نسلی اور وطنی اعتبار سے ان میں کتنی بھی دوری کیوں نہ ہو، وہاں دنیا کے سارے سیاسی اتحاد یکسر ٹوٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ صرف اخلاق واعمال کی بنیاد پر فیصلہ فرمائیں گے، یہ ایمان واخلاق اور اللہ کی بندگی وعبودیت ایک ایسی چیز ہے جس سے بندہ کے اندر پستی اور فروتنی پیدا ہوتی ہے اور اسی سے روحانیت کی تکمیل بھی ہوتی ہے، بندہ جس حد تک اس کسب وفیض میں ترقی کرے گا اس کی روحانی ترقی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور ظالم اپنے ظلم کی سزا آخرت میں تو بھگتے گا ہی، دنیا میں بھی اس کی رسوائی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایک ظالم پر دوسرے ظالم کو مسلط فرمادیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”من اعان ظالماً سلطه الله عليه“ یعنی جو شخص کسی ظالم کے ظلم میں اس کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس کے ستانے کے لئے اس پر مسلط کردیتے ہیں اور اسی کے ہاتھ سے اس کو سزا دلواتے ہیں (معارف القرآن) آج دنیا کے کم وبیش ہر ملک میں مسلما ظلم وستم کے شکار ہیں، یہود وہنود اور نصاریٰ مسلمانوں کی عزتیں پامال کررہے ہیں، فلسطینی مسلمان، صہونی درندوں کے خونی پنجوں سے لہولہان ہیں، برما کے مسلمانوں کی لرزہ خیز داستان سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، خود ہمارے وطن عزیز میں مرکز کی برسراقتدار ہندو واحیا پرست جماعت کے دل خراش مظالم سے دل کبیدہ خاطر ہے، کبھی قانون سازی کے ذریعہ تو کبھی مذہب کی بنیاد پر فرقہ پرستی کے زہر کو ذہنوں میں بٹھانے کی پیہم کوشش کی جارہی ہے، جس کی وجہ سے ملک کا امن وسکون غارت میں مل گیا اس لئے جب قیامت کا دن ہوگا تو سارے ظالم ایک جگہ جمع کردیئے جائیں اور وہ اپنے کئے کی سزا پائیں گے، اللہ مسلمانوں کو ظالموں کے ظلم سے محفوظ رکھے اور ان کے اندر دفاعی قوتوں کو مستحکم کرنے کی توفیق بخشے۔

توکل کے ساتھ تدبیر بھی اختیار کیجئے

”حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے توکل کے بارے میں دریافت کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اپنے اونٹ کو باندھ دوں اور توکل کروں یا میں اس کو چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اونٹ کو باندھو اور پھر توکل کرو“ (ترمذی شریف، ابواب صفة القيامة)

مطلب: اپنے تمام معاملات کو کسی شخص کے سپرد کرنا توکل کہلاتا ہے، اب اگر کوئی شخص تدابیر اور اسباب ظاہر کو اختیار کرکے اللہ کی طرف متوجہ ہوجائے اور اس کے کرم کا خواستگار بن جائے، دل میں کسی غیر کے لئے گنجائش نہ رکھے تو یہ توکل ہے، توکل کے ساتھ تدبیر اختیار کرنا اور بقدر ضرورت اسباب کو فراہم کرنا، اللہ کی سنت مقررہ ہے اور اس سے سرمو انحراف کرنا توکل کے خلاف ہے، اب اگر کوئی صاحب اولاد اپنے اہل وعیال کو متوکل بنانے کے لئے جنگل کا رخ اختیار کرلے اور بچوں کے لئے کسب حلال نہ کرے پھر اس کے نتیجہ میں بچوں کی موت واقع ہوجائے تو ایسا شخص قیامت کے دن مواخذہ خداوندی سے بچ نہ سکے گا، مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسی قوم سے ملے جو کچھ کام کاج نہ کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو متوکلین ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، متوکل تو درحقیقت وہ شخص ہے جو اپنا غلہ زمین میں ڈال کر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص کام کاج سے ہاتھ کھینچ کر بیٹھ کر یہ دعا نہ کرے کہ اے اللہ مجھے رزق عطا فرما حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برساتے پھر آپ نے غرباء وفقراء کو اس بات سے روکا کہ وہ کام کاج چھوڑ کر لوگوں کے صدقات وخیرات پر تکیہ کرکے بیٹھ جائے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اے غرباء وفقراء کی جماعت اچھائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اور مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو، شیطان انسان کو دھوکہ میں ڈالتا ہے کہ کوئی کام نہ کرو یہ عمل سنت کے خلاف ہے، اس لئے جو بھی اپنا کام ہے، اس کو خوب ہمت وحوصلہ کے ساتھ انجام دیجئے، پھر اس کے نتائج کو اللہ کے حوالہ کیجئے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں اسی بات کی تعلیم دی گئی کہ ہمیں اسباب اختیار کرنے کے بعد نظر کو مسبب الاسباب پر جمانا ہے، کیونکہ اس سے دوری اختیار کرنا حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے ”السعي مني والاتمام من الله“ کوشش میری طرف سے ہو اور تکمیل کے لئے اللہ سے امید رکھیں، گویا اللہ سے دعا کرنا بھی تدبیر اور کوشش کے ہم معنی ہے، اعتماد علی اللہ کی اسی کیفیت کا نام توکل ہے، اللہ کی ذات پر نظر رکھیں، اس کی طرف دھیان رکھیں اور اور مرادیں بھی اسی سے طلب کریں ”وتوكل على الله وكفىٰ بالله وكيلا“ اگر اسباب ظاہر کو اختیار کرنے کے بعد ہماری نظر اللہ کی ذات پر ٹکی رہی تو ان شاء اللہ ہم کامیاب ہوں گے۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

ماہ محرم اور اس کے رسوم وبدعات:۔

س: محرم الحرام کے ذریعہ ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے، اس مہینہ کا استقبال کس طرح کرنا چاہئے، اسلامی تعلیمات کیا ہیں، اس مہینہ میں تعزیہ سازی، سینہ کوبی، نوحہ وماتم، ڈھول باجا، مرثیے گانا، یا علی یا حسین کا نعرہ بلند کرنا، کھچڑا اور سبیل وغیرہ بہت سارے رسوم ہیں جو انجام دیئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس میں نہ صرف شریک ہوتی ہے بلکہ ہر طرح ان چیزوں کو انجام دیتی ہے یا پھر اس میں مدد کرتی ہے، شریعت میں ایسے کاموں کی کیا حیثیت ہے؟

ج: محرم الحرام وہ مبارک ومحترم اور پاکیزہ مہینہ ہے جس سے ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے، اس سال کا استقبال وآغاز انتہائی پاکیزگی، شریعت کی مکمل پاسداری، اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری اور روزے کے اہتمام سے کرنا چاہئے، اس محترم اور باعظمت مہینہ کو غم وسوگ، ماتم وتعزیہ، ڈھول تاشہ باجا، کھچڑا، سبیل اور طرح طرح کے واہیات وخرافات اور رسم ورواج سے جکڑ دینا اسلامی تعلیمات کے سخت خلاف ہے، ان چیزوں کا ثبوت کتاب وسنت، صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین کسی سے نہیں ہے، یہ سب رسم ورواج اور بدعات ہیں جن سے بچنا اور ماہ مبارک کو پاک کرنا نہایت ضروری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی رسم پیدا کی جو اس میں نہیں تھی تو وہ مردود ہوگی۔

”من أحدث في أمرنا هذا ماليس فيه فهو رد“ (صحيح البخاري: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

”كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار“ (سنن نسائي: ۱۵۷۹، كتاب صلاة العيدين، باب كيف الخطبة)

آپ نے ارشاد فرمایا: جس نے رخسار پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کا نعرہ بلند کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

” ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية“ (صحيح البخاري: ۱۲۹، كتاب الجنائز، باب ليس منا من ضرب الخدود)

مفتی محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ پر رسم تعزیہ داری، سیاہ پوش ہونا، ڈھول تاشے بجانا اہل سنت والجماعت کے نزدیک اس کی اصل کیا ہے؟

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یقیناً ایک دردناک حادثہ ہے اور خاندان نبوت سے عقیدت ومودت کا تعلق رکھنے والوں کیلئے روح فرسا واقعہ ہے سب کو اس سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے کہ حق پر کس طرح قائم رہنا چاہئے، کسی جابر طاقت کے سامنے جھکنے سے جام شہادت نوش کرنے کا مقام بہت بلند ہے، لیکن یہ انتہائی بدقسمتی اور حرماں نصیبی ہے کہ جرأت اور حق گوئی کا سبق حاصل کرنے کی جگہ پر ان جاہلانہ اور زنانہ مراسم نے قبضہ کرلیا ہے اور اب ان ہی کے ذریعہ حق وفاداری ادا کیا جاتا ہے اور مذکورہ سوال میں بعض چیزیں مکروہ ہیں، بعض بدعت سیئہ ہیں، بعض حرام ہیں، بعض درجہ شرک تک پہونچے ہوئے ہیں، اہل سنت والجماعت کے مسلک سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے، یہ روافض کا شعار ہے ان کی صحبت کا اثر بے علم یا بے عمل اہل سنت والجماعت میں پھیل گیا ہے ان کا بند کرنا ضروری ہے (فتاوی محمودیہ:۲۷۷/۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

محرم میں ذکر شہادت حسین رضی اللہ عنہ کرنا اگرچہ بروایات صحیح ہو، یا سبیل لگانا، شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں (تالیفات رشیدیہ:۱۳۲)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تعزیہ کے ساتھ جو معاملات کئے جاتے ہیں ان کا معصیت وبدعت بلکہ بعض کا قریب بہ کفر وشرک ہونا ظاہر ہے، اس لئے اس کا بنانا بلاشک ناجائز ہوگا اور چونکہ معصیت کی اعانت معصیت ہے اس لئے اس میں باچھ یعنی چندہ دینا یا فرش وفروش وسامان وروشنی سے اس میں شرکت کرنا سب ناجائز ہوگا اور بنانے والا اور اعانت کرنے والا دونوں گنہگار رہوں گے (امداد الفتاوی:۲۸۷/۵)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں:

”تعزیہ بنانا، اس کی تعظیم کرنا، اس سے منت مرادیں مانگنا چومنا، علم نکالنا، دلدل بنانا، تخت اٹھانا، مینڈھی نکالنا، مرثیہ پڑھنا، ماتم ونوحہ کرنا، چھاتیاں کوٹنا یہ سب کام ناجائز حرام اور مفضی الی الشرک ہیں، شریعت مقدسہ ایسے کاموں کی اجازت نہیں دیتی، یہ اسلامی توحید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور سچی تعلیم کے خلاف ہیں اور عقل صحیح بھی ان کی اجازت نہیں دیتی، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے کارناموں میں اس قسم کی فضولیات کا نام ونشان نہیں (کفایت المفتی:۲۳۵/۱)

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں:

محرم شریف میں سوگ کرنا حرام ہے (عرفان شریعت:۷/۱)

محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت ناجائز ہے (عرفان شریعت:۱۶/۱)

تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض اور روگردانی کریں اس کی جانب دیکھنا بھی نہیں چاہئے (عرفان شریعت:۱۵/۳)

تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے جو قطعاً بدعت وناجائز اور حرام ہے (رسالہ تعزیہ داری حصہ دوم)۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار

نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 62/72 شمارہ نمبر 28 مورخہ ۲ر محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق یکم راگست ۲۰۲۲ء روز سوموار

دِل کی حفاظت

دوحرف کا ایک چھوٹا سا لفظ ''دل''، انسان کی ساری تگ ودو کا مرکز اور اعمال کا سرچشمہ ہے، یہ صالح رہتا ہے تو جسم سے اچھے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور یہ بگڑ گیا تو اعمال فساد وبگاڑ کے شکار ہو جاتے ہیں، گوشت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر خیر وشر کا مدار ہے اور صوفیاء کے یہاں اصل زندگی دل کی زندگی ہے اور زندگی عبارت اسی کے جینے سے ہے، اسی لیے شاعر نے کہا ہے کہ ''زندگی زندہ دلی کا نام ہے، مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں'' اور یہ کہ ''دل زندہ تو نہ مرجائے کہ زندگی عبارت ہے تیرے جینے سے''۔

حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، پھر اگر اس نے توبہ کے پانی سے اسے دھو دیا تو قلب صاف ہو جاتا ہے اور اس میں نیکیوں کی فصل لگنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اگر توبہ کی توفیق نہیں ہوئی تو گناہ کرتے کرتے دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، اس مرحلہ میں جانے کے بعد نیکیوں کی توفیق نہیں ہوتی اور اسکے دل، کان اور آنکھ پر مہر لگ جاتی ہے۔ اب اس کے پاس دل تو ہے؛ لیکن وہ سمجھتا نہیں؛ اس کے پاس آنکھ ہے؛ لیکن دیکھتا نہیں، اور اس کے پاس کان ہے، لیکن سنتا نہیں، اس کی اس حالت کی وجہ سے اس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت، کیوں کہ پتھروں سے تو بسا اوقات چشمے پھوٹتے ہیں، اور نہریں جاری ہوتی ہیں، پانی نکل آتا ہے اور کبھی کبھی وہ خشیت الٰہی سے گر بھی پڑتے ہیں، لیکن یہ گوشت پوست کا انسان اس سے بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے اور اس کے دل اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اس کی آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں اور اس کے کان اچھی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور بالآخر وہ اپنی زندگی کے دن مکمل کر کے قبر میں جا سوتا ہے اور آخرت میں اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

دل کو جن چیزوں سے سخت نقصان پہونچتا ہے، ان میں عناد، کبر، حسد، بغض، نفاق، کینہ بدگمانی چغل خوری، جھوٹ اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کو ہوا دینا ہے، جس دل میں نفرت کی آگ جل رہی ہو، اس میں محبت کے پودے نہیں لگا کرتے، یہی حال کبر کا ہے، کبر کے ساتھ اللہ کی عظمت جمع نہیں ہوتی، ہر حال میں اللہ کی بڑائی کا اقرار ہی دل کی دنیا بدل سکتی ہے، اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع اور انکساری کی ہدایت کی، تواضع دل کا ہی عمل ہے، یہ عمل جتنا مکمل ہوگا اللہ ورسول کے احکام وہدایت پر عمل کرنے کے لیے دل اسی قدر آمادہ وتیار ہوگا۔ دل کو صالح رخ دینے میں عفو ودرگذر، تحمل وبرداشت اور حسد وکینہ سے پاک ہونے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، ان اوصاف کے بغیر دل اس مقام ومرتبہ تک نہیں پہونچ سکتا، جس کی امید ایک مؤمن سے کی جاتی ہے۔

اس لیے دل کو دل بنانے کی کوشش کرنی چاہیے یہ آسانی سے نہیں بنتا، لاکھ رگڑیں کھا کر دل، دل بنتا ہے، بے راہ روی کے اس دور میں دل کی حفاظت بڑا کام ہے اور اس بڑے کام کے لیے سخت ریاضت اور ''درد دل'' کی ضرورت ہے، بقول بہادر شاہ ظفر: درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو، جہاں تک طاعت وبندگی کا سوال ہے وہ تو اللہ کی ہر مخلوق کر رہی ہے اور انسان سے زیادہ پابندی سے کر رہی ہے۔

دل کو درست کرنے کے لئے اہل دل کی صحبت ومعیت ضروری ہے، اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو تقویٰ اور صدیقین کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، دل میں محبت الٰہی اور خشیت خداوندی پیدا کرنے کے لیے کسی ایسے کی صحبت میں رہنا چاہیے جو یہ آگ دل کی دنیا میں لگا سکے، دراصل یہ آگ لگتی نہیں، لگائی جاتی ہے، اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں یہ دولت وافر مقدار میں موجود ہو اور اسے اپنے ساتھ رہنے والے پر اس دولت کے خرچ کا سلیقہ بھی آتا ہو، بزرگوں کی خانقاہیں اور اہل اللہ کی گلیاں تجربہ سے اس کام کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوئی ہیں، یہی وہ جگہ ہے جہاں سے وافر مقدار میں ''دوائے دل'' ملتی ہے، ضرورت تلاش کی ہے، جستجو کی ہے، صحیح اور فکرمند اہل اللہ کے دروازے پر پڑے رہنے کی ہے، میرے خیال میں یہ بات صحیح نہیں ہے کہ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دوکان اپنی بڑھا گئے۔ تلاشیے، شاید آپ کے قریب ہی کوئی دل کو صیقل کرنے والا موجود ہو۔

تعلیم یافتہ مجرم بچے

ہندوستان میں جرائم کثرت سے ہوتے ہیں، جس سے سماج کے پُرامن اور شریف لوگوں کو دشواریوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس میں کمی بیشی تو ہوتی رہتی ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ جرائم کا صدور ہی نہ ہو، سماج بھی اس کا اس قدر عادی ہو گیا ہے جرم کے کسی واقعہ کے سامنے آنے پر اسے تحیر اور تعجب نہیں ہوتا، افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ جرائم کی دنیا سے جڑے ہوئے ہیں، ان میں پینتالیس فی صد ایسے بچے ہیں، جنہوں نے ہائی اسکول یا مڈل اسکول تک تعلیم حاصل کی ہے، ایک رپورٹ کے مطابق ۲۸ رفی صد مجرم بچے وہ ہیں، جنہوں نے پرائمری سطح تک کی تعلیم حاصل کر رکھی ہے۔

بچوں میں مجرمانہ مزاج پیدا ہونے کی بڑی وجہ ان کے والدین کی عدم توجہی ہے، زندگی اس قدر مصروف ہوگئی ہے کہ والدین کے پاس بچوں کو دینے کے لیے وقت نہیں ہے، ایسے میں یہ بچے اپنا وقت گھر سے باہر گذارنے لگتے ہیں، جن کی صحبت آوارہ اور اوباش لڑکوں سے ہو جاتی ہے، اور پھر دھیرے دھیرے وہ جرم کے دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں اور ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اس سے باہر آجائیں، کیوں کہ جہاں وہ اس جال سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی جان پر خطرہ منڈلانے لگتا ہے۔

ایک مطالعہ میں یہ بھی پایا گیا کہ مختلف جرائم میں پکڑے گیے مجرمین میں ننانوے (۹۹) فی صد بچے ہی تھے، لطف کی بات یہ ہے کہ ان میں سے پچاسی (۸۵) فی صد مجرم بچے والدین کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔

بچوں کی نفسیات کو بگاڑنے اور جرم کے دلدل تک پہونچانے میں والدین کے منفی رویوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا، گھر کا ماحول، والدین کے خانگی جھگڑے اور بچوں پر مختلف قسم کے دباؤ کی وجہ سے بچوں کی ذہنیت بگڑ جاتی ہے اور وہ تناؤ کے شکار ہو جاتے ہیں، بعض گھروں میں والدین ہی جرائم کی دنیا سے وابستہ ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے بچے بھی اس راستے پر چل پڑتے ہیں اور والدین کی حوصلہ افزائی اس میدان میں ان کو دور تک بھٹکا کر لے جاتی ہے۔

اس تجزیہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر بچوں کو جرم کی دنیا سے الگ رکھنا ہے تو والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کا نظم کریں، بچوں کے لیے ان کے رول ماڈل اور آئیڈیل والدین ہوتے ہیں، ایسے میں ضروری ہے کہ والدین بھی اخلاقی زوال سے بچیں اور جرم کی دنیا سے دور رہنے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں، والدین ببول کے پیڑ کی طرح ہوں گے تو اس میں اچھے پھل لگنے کی توقع فضول ہے، گلاب کے پیڑ میں گلاب کھلتے ہیں اور دھتورے کے پیڑ میں دھتورہ، یہی قدرت کا نظام ہے، خود اگر والدین دھتورے کی مانند ہیں تو ان کے بچے گلاب کے مانند نہیں ہو سکتے، اس لیے ضرورت ساری توجہ اپنی ذات اور بچوں کی تربیت پر مرکوز رکھنے کی ہے، یہی ایک طریقہ ہے جس سے بچوں میں بڑھ رہے مجرمانہ ذہنیت کو ختم کرنا ہمارے لیے ممکن ہو سکے گا، خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ اگر آپ نے اپنی اچھی صحبت دے کر اپنے بچوں کو نیک نہیں بنایا تو دوسرے اپنی بُری صحبت سے بچوں کو بُرا بنا دیں گے۔

کنگارو کورٹ

چیف جسٹس این وی رمنا نے الیکٹرونک میڈیا کے ذریعہ اہم اور حساس موضوعات پر میڈیا ٹرائل کو کنگارو کورٹ سے تعبیر کیا ہے، جوڈیشیل اکیڈمی رانچی میں نیشنل یونیورسیٹی آف اسٹڈی اینڈ ریسرچ ان لا (این، یو، ایس، آر ایل) کے تحت منعقد ''جج کی زندگی'' کے موضوع پر ایک پروگرام میں ان کا درد وکرب چھلک کر باہر آگیا، انہوں نے کہا کہ میڈیا ٹرائل کی وجہ سے تجربہ کار ججوں کو بھی فیصلہ کرنے میں دشواری پیش آتی ہے، میڈیا کے اس عمل سے ہماری جمہوریت دو قدم پیچھے چلی جا رہی ہے، انصاف کی فراہمی سے متعلق مسائل پر غلط اور ایجنڈے پر مبنی مباحثے جمہوریت کی صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں۔ پرنٹ میڈیا کسی حد تک ذمہ دار ہے، لیکن الکٹرونک اور سوشل میڈیا بے لگام ہے، جس کی اس کو قطعا اجازت نہیں ملنی چاہیے، کثیر تعداد میں مقدمات کے التوا ہونے کی وجہ انہوں نے عدالتی آسامیوں کو پُر نہ کرنا اور عدالتی ڈھانچوں کو بہتر نہیں بنانا قرار دیا۔

کنگارو ایک جانور ہے، جس کے پیٹ کے باہری حصہ میں ایک تھیلی ہوتی ہے، کنگارو کا بچہ اسی تھیلے میں پل کر بڑا ہوتا ہے، یہ چھوٹا بچہ جس طرح کنگارو کے تھیلے کو استعمال کرتا ہے، میڈیا اسی طرح ٹرائل کر کے اپنے تھیلے میں موجود چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑا کر کے سماج کے سامنے پیش کرتا ہے، جس سے مقدمات کے سلسلے میں رائے عامہ غلط رخ کی طرف چلی جاتی ہے، اور جج صاحبان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، وہ معاملات وواقعات کی صحت وصداقت کے سلسلہ میں کنفیوز اور مشکوک ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں فیصلہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، میڈیا کا یہ عمل انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے، اس پر پابندی لگانے کے لیے سرکار کو پارلیامنٹ میں کوئی نیا بل لانا چاہیے، اظہار رائے کی آزادی کا مطلب قطعا یہ نہیں ہے کہ آپ فیک نیوز اور جھوٹی بحثیں کرا کر انصاف کے عمل کو متاثر کریں، میڈیا کا یہ طریقہ کار اس قدر جھوٹ اور فریب پر مبنی ہوتا ہے کہ بقول فیض:

وہ بات جس کا سارے فسانے میں ذکر نہیں   وہ بات ان کو بہت ناگوار گذری ہے

الیکٹرک گاڑیوں سے پھیلتی آلودگی

ڈیزل پٹرول کے مہنگے ہونے اور غیر ملکوں سے برآمدگی پر انحصار کی وجہ سے الیکٹرک اور بیٹری والی گاڑیوں کو تیزی سے رواج مل رہا ہے، گیس سے چلنے والی گاڑیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، سوسائٹی آف ایرارتھ کا کہنا ہے کہ ایک الکٹرک کار بنانے میں ستاون (۵۷) کلو کچا مال لگتا ہے، جس میں آٹھ کلو لیتھی یم، پینتیس (۳۵) کلو نِکل، چودہ کلو کوبالٹ ہوتا ہے، ان مادوں کو زمین سے نکالنے میں چار ہزار دو سو پچہتّر (۴۲۷۵) کلو ایسڈ کچڑا اور ستاون کلو ریڈیو ایکٹیو پیدا ہوتا ہے، اس کے علاوہ الکٹرک گاڑیوں کے بنانے میں (۹) ٹن کاربن نکلتا ہے، جب کہ پٹرول میں یہ ۶ء۵ رٹن ہی پیدا ہوتا ہے، یہی حال پانی کے استعمال کا ہے، الیکٹرک گاڑیوں کی تیاری میں تیرہ ہزار پانچ سو لیٹر پانی لگتا ہے، جب کہ پٹرول کار میں صرف چار ہزار لیٹر پانی کا استعمال ہوتا ہے، اب اگر الیکٹرک گاڑیوں کو کوئلے سے بنی بجلی سے چارج کریں تو ڈیڑھ لاکھ کلومیٹر چلنے پر پٹرول کار کی بہ نسبت بیس (۲۰) فی صد کم کاربن نکلے گا۔

ہندوستان میں ستر فی صد بجلی کی پیداوار کوئلے کے ذریعہ ہی ہوتی ہے اس لیے ہم الکٹرک گاڑیوں کے ذریعہ صرف بیس فیصد فضائی آلودگی کو کم کر سکتے ہیں، یہاں یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہم ہندوستان کا مقابلہ یورپین ممالک سے نہیں کر سکتے، کیون کہ وہاں الکٹرک گاڑیاں ۶۹ رفی صد کم کاربن پیدا کرتی ہیں، کیوں کہ وہاں ساٹھ (۶۰) فی صد بجلی بغیر کوئلے کی مدد کے پیدا کی جاتی ہے۔

مرکزی حکومت کا ہدف یہ ہے کہ ۲۰۳۰ء تک ستر فی صد کمرشیل کاریں، تیس (۳۰) فیصد نجی کاریں، چالیس (۴۰) فی صد بائیک، موٹر سائکل اور اسکوٹر نیز اسی (۸۰) فی صد اوٹو گاڑیوں کو الکٹرک انجن میں بدل دیا جائے، اس سے فضائی آلودگی کم ہوگی، لیکن پھر بھی ہندوستان میں آلودگی کا مسئلہ برقرار رہے گا، کیوں کہ ہمارے یہاں آلودگی صرف گاڑیوں سے نہیں پھیلتی، اس سے زیادہ دوسرے ذرائع سے ہماری فضا آلودہ ہوتی ہے، جب تک درختوں کی کٹائی رکے گی نہیں، گندی نالیوں کا گرنا دریاؤں میں بند نہیں ہوگا، آتش بازی اور پٹاخوں کے شور کو کم نہیں کیا جائے گا تب تک فضا آلودہ ہوتی رہے گی اور آلودہ فضا سے جانداروں کو نقصان پہونچتا رہے گا، آج ساری دنیا پر فضائی آلودگی کا مہیب سایہ ہے اور ہمارے سائنس داں اسے دور کرنے میں اب تک کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔

یادوں کے چراغ ✍ : مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا مفتی سید مکرم حسین سنسار پوریؒ

بافیض عالم دین، حاذق حکیم، حضرت مولانا شاہ عبدالقادری رائے پوریؒ کے خلیفہ ومجاز صحبت، خانقاہ قادریہ شفائیہ کے بانی وسجادہ نشیں، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی مجلس شوریٰ کے رکن، بزم عرفان وحدت اور بزم صحبائے وحدت کے رمز شناش، عظیم مصلح، ظاہری طور پر مکمل مرداں حسن کے شاہکار، خوبصورت اور نفیس رکھ رکھاؤ والے حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین سنسار پوریؒ ۲۲رجولائی ۲۰۲۲ء ۲ ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ کو نوے برس کی عمر میں بروز جمعہ نماز جمعہ سے قبل آخرت کے سفر پر روانہ ہوگیے، جنازہ کی نماز بعد مغرب حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم ناظم مدرسہ مظاہر علوم نے پڑھائی اور مقامی قبرستان سنسار پور میں تدفین عمل میں آئی، پس ماندگان میں پانچ بیٹے اور دو بیٹیوں کو چھوڑا۔

مولانا حکیم سید مکرم حسین بن مولانا حکیم سید اسحاق بن حکیم سید حسن کی ولادت قصبہ سنسار پور، مظفرآباد بلاک ضلع سہارن پور، اتر پردیش میں نواسی سال قبل ہوئی، آپ کے دادا حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے، آپ کے جد امجد مولانا حکیم سید فیض الحسن صاحب اور صوفی سید کرم حسین رحمہما اللہ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے چشمۂ صافی سے تصوف وسلوک کی تشنگی بجھائی تھی اور حضرت گنگوہیؒ نے انہیں خلافت دی تھی، ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' اسی کو کہتے ہیں۔

اسی قصبہ میں واقع مدرسہ فیض رحمانی سے آپ نے ابتدائی تعلیم سے عربی چہارم تک تعلیم پائی، حفظ قرآن کی تکمیل بھی یہیں سے کی، یہاں حضرت کے والد درس وتدریس سے وابستہ تھے اس لیے شرح جامی تک کی بیش تر کتابیں خود اپنے والد یا ان کی نگرانی میں دوسرے اساتذہ سے پڑھیں، پھر جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور تشریف لے گیے اور ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں اکابر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے سند فراغت حاصل کی۔

علوم وفنون میں کامل دسترس کے بعد آپ تصوف وسلوک کی طرف متوجہ ہوئے، حالاں کہ آپ کا پورا خاندان اس معاملہ میں آگے تھا اور سوز ومستی، جذب وشوق، عشق الٰہی ونبوی سے پورا گھرانا سرشار تھا، اس کے باوجود آپ نے خانقاہ رائے پور کا انتخاب کیا اور حضرت مولانا عبد القادرؒ رائے پوریؒ جو محبت رسول اور عبدیت کی شمع فروزاں کرنے میں ممتاز ہی نہیں، ممتاز ترین تھے کے دست بافیض سے اپنے کو منسلک کرلیا، حضرت رائے پوری نے اپنے اس مرید پر خصوصی توجہ فرمائی؛ جس سے مولانا کا قلب جو پہلے ہی خاندانی ماحول اور ذکر وفکر کی وجہ سے مصفیٰ تھا، مجلّٰی ہوگیا، حضرت نے خلافت عطا فرمائی تو لوگوں کا رجوع آپ کی طرف ہونے لگا آپ متبع سنت اور اپنے مرشد کی تعلیمات پر پوری طرح عامل تھے، بعد میں خواب میں مرشد کے اشارے کو پاکر آپ نے سنسار پور میں ہی خانقاہ قادریہ شفائیہ کی بنیاد ڈالی اور متوسلین کی اصلاح اور تزکیہ نفس کا فریضہ پوری زندگی انجام دیتے رہے۔

آپ نے زندگی کے کسی مرحلہ میں علوم دینیہ اور تصوف کو معاش کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا، معاش کے لیے آپ نے خاندانی پیشہ طبابت وحکمت کو اپنایا، آپ اپنے وقت کے طبیب حاذق اور کامیاب معالج تھے، نبض دیکھ کر نہ صرف جسمانی امراض سے واقف ہوجاتے؛ بلکہ روحانی اعراض وامراض کی بھی نشاندہی فرماتے، دونوں کا علاج بتاتے، اللہ تعالیٰ نے دست شفا عطا فرمایا تھا، آپ کا مطب دوائے جسمانی اور روحانی دونوں کا مرکز تھا اور مخلوق خدا آپ کی دونوں صلاحیت سے بقدر ظرف مستفید ہوا کرتی تھی، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے آپ آخری خلیفہ تھے، جو حیات تھے، مولانا کی وفات سے اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی۔

مولانا مرحوم خلقی طور پر وجیہ اور خوش رو واقع ہوتے تھے، ذکر الٰہی کی روشنی ان کے چہرے پر کھلی آنکھوں دیکھی جاسکتی تھی۔ علوم وسلوک میں منتہی درجہ پر پہونچنے کے باوجود آپ کے اندر تواضع اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، لہجہ سبک، الفاظ نرم اور اصلاح کی قلبی تڑپ سے جو آتا اسیر ہوکر رہ جاتا، نظروں سے بجلی گرانے کا محاورہ تو عام ہے، لیکن وہ جو اقبال نے کہا ہے کہ ''نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں'' اس کے صحیح مصداق اور مظہر اتم آپ تھے۔

آپ کا سلوک ہر ایک کے ساتھ عالمانہ، داعیانہ اور مشفقانہ ہوا کرتا تھا، منفی باتوں کو مثبت رخ دینے کا ہنر آپ کو خوب آتا تھا، وہ گالیاں سن کر دعائیں دینے کے نبوی طریقہ پر کار بند تھے، اس لیے آپ کے مخالفین بھی آپ کے چشم عنایت اور دست بابرکت سے فائدہ اٹھا لے جاتے تھے، جس طرح سورج کی روشنی ہر کہہ ومہہ کو منور کر دیتی ہے ویسے ہی آپ کی محبت وشفقت اور عشق الٰہی کی روشنی سے سبھی فائدہ اٹھاتے اور سبھی بہرہ ور ہوا کرتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی حیثیت خدا بیزار اور دین سے دوری کے اس دور میں قندیل رہبانی کی تھی جس سے ظلمتیں دور ہوتی تھیں، قندیل رہبانی ایک لفظ ہے جس سے بات کو سمجھایا جاتا ہے، ورنہ مولانا کے یہاں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں تھا، وہ عوام کے درمیان رہ کر ''خلوت در انجمن'' کا مزہ لیا کرتے تھے، اس کے لیے صحرا نوردی نہ اسلام میں جائز ہے اور نہ مولانا اس کو پسند کرتے تھے، اسلام نے رہبانیت سے منع کیا ہے، اس لیے وہ قندیل رہبانی بن بھی نہیں سکتے تھے، وہ عوام کے درمیان رہا کرتے تھے، خویش واقارب بیوی بچے سب کے ساتھ ہوتے تھے، اور سب کی تربیت میں لگے رہتے تھے، اس کی وجہ سے اللہ رب العزت نے انہیں محبوبیت اور مقبولیت دونوں عطا کی تھی، مولانا کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا، اور کہنا چاہیے کہ ایک چراغ اور بجھا، روشنی اور گھٹی۔

اللہ رب العزت مولانا کی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے اور خانقاہ قادریہ شفائیہ سنسار پور کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل دے خانوادے کے ساتھ ملک وبیرون ملک میں پھیلے ان کے مریدین، متوسلین اور معتقدین کو بھی۔ مولانا سے میری ذاتی ملاقات تو کبھی نہیں ہوئی تھی، لیکن مشک کی خوشبو دور تک پھیلتی ہے اور نادیدہ لوگوں کے مشام جاں کو بھی معطر کرتی ہے، یہ حقیر ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہے۔

کتابوں کی دنیا ✍ : ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

اسلام اور مسلمان (جلد دوم)

چند ماہ قبل امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی دامت برکاتہم کے ہاتھوں امارت شرعیہ کی میٹنگ روم میں پروفیسر ڈاکٹر محمد یونس حسین حکیم (ولادت ۲۲رجولائی ۱۹۴۳ء) بن سخاوت علی کی کتاب ''اسلام اور مسلمان حصہ دوم'' کا اجراء عمل میں آیا، جو عقیدۂ رسالت مع سیرۃ النبی کے موضوع پر ہے، اس کتاب کی اشاعت دینی تعلیمی مرکز گرین دھرم پور سمستی پور سے ہوئی ہے، کمپوزنگ سیف اللہ ندوی علی گڑھ کی ہے، جس میں سلیقگی ہے، ٹائٹل پر گنبد خضرا مع مسجد نبوی کے مینار کی شمولیت نے اسے دیدہ زیب بنا دیا ہے، تین سو اٹھائیس (۳۲۸) صفحہ کا ہدیہ تین سو روپے ہے، ہدیہ اجباری نہیں ہوتا، لیکن جب یہ قیمت کے معنی میں آتا ہے تو اس کے حقیقی معنی متروک ہوجاتے ہیں، تین سو روپے دیجئے اور کتاب حاصل کیجئے، کتاب حاصل کرنے کا پتہ گرین لینڈ اسکول ہے اور پتہ ناشر کے ذیل میں اوپر درج کیا گیا ہے، رابطہ نمبر 9661754509 پر رابطہ کر لینے سے شاید مفت ملنے کی شکل بھی نکل آئے، طلب کی دونوں قسم ہے، ہدیۃً بھی اور مجاناً بھی، آپ طلب کرکے تو دیکھئے۔

''عقیدہ رسالت اور مضامین سیرۃ النبی'' سے پہلے آپ کو نصف درجن ان علماء کے تاثرات بھی پڑھنے ہوں گے، جو کتاب کی قدر و قیمت کو واضح کرنے کے لئے ابتداء کتاب میں شامل کیے گیے ہیں، حرف آغاز جو خود مؤلف کتاب کی طرف سے ہے، اس کو شامل کرلیں تو یہ تعداد سات ہوجاتی ہے، حرف آغاز کے بعد مقدمہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی سابق ناظم امارت شرعیہ، تقریظ پروفیسر شمیم الدین احمد منعمی، کلمات تحسین مولانا ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی شمسی تأثرات پروفیسر فاروق احمد صدیقی، اظہار رحمانی، جناب امتیاز احمد کریمی اور تعارف مولانا محمد خالد ضیا صدیقی ندوی کا ہے، ان حضرات نے اپنی تحریروں میں کتاب کے خصائص اور صاحب کتاب کے وسعت مطالعہ کی داد دی ہے، بعض نے کتاب کے اقتباس نقل کرکے اپنی تحریر کو طویل کیا ہے، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی لکھتے ہیں: ''یہ کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہتر مرقع پیش کرتی ہے... ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب عند اللہ بھی مقبول ہوگی اور عند الناس بھی (صفحہ ۲۴) پروفیسر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی نے اس اقرار کے بعد کہ وہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے پوری کتاب کا مطالعہ خاطر خواہ طور پر نہ کرسکے، لکھا ہے کہ ''ایک سرسری نظر میں ان کی کاوش صحت مند محسوس ہوئی، لب ولہجہ آسان اور گفتگو واضح ہے، جس سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ انہوں نے سیرت کے مطالعے اور پھر حاصل مطالعہ کے اس قدر ضخیم اظہار کے لیے اپنی علمی وسیاسی مصروفیت کے باوجود وقت نکالا وہ قابل حیرت بھی ہے اور لائق آفریں بھی، (صفحہ ۲۷) مولانا ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی کی رائے کہ ''عقیدہ رسالت مع سیرۃ النبیؐ نہایت ہی اہم کتاب ہے، کتاب کی زبان سادہ اور سلیس ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر محیط ہے (صفحہ ۲۹) پروفیسر فاروق احمد صدیقی لکھتے ہیں ''ہر مقام پر ان کا قلم بے حد محتاط اور مؤید من اللہ رہا ہے (صفحہ ۳۱) امتیاز احمد کریمی لکھتے ہیں: ''یہ کتاب سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر طویل کوششوں کا سرمایہ ہے اور سیرت نبوی کے سلسلے میں مفصل رہنمائی کرتی ہے، مولانا محمد خالد ضیا صدیقی ندوی نے اس کتاب کا تعارف پیش کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ ''کتاب جہاں مواد ومباحث اور حسن ترتیب کے لحاظ سے امتیازی شان وشوکت رکھتی ہے، وہیں اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے بھی منفرد مقام رکھتی ہے، پوری کتاب انتہائی سہل، عام فہم، مگر شگفتہ وشائستہ اسلوب کی نمائندگی کرتی ہے، ہر خاص وعام آسانی سے استفادہ کرسکتا ہے، انہوں نے اس کتاب میں پوری دیانت داری کے ساتھ حوالہ کا بھی اہتمام کیا ہے''۔

ان اساطین علم وادب کی تحریروں کے بعد لکھنے کو بچ ہی کیا جاتا ہے، یقیناً ڈاکٹر یونس حکیم صاحب کی دلچسپی اسلامیات و دینیات سے قابل رشک ہے، وہ سائنس کے طالب علم رہے ہیں اور ایک زمانہ تک اسے پڑھایا بھی ہے، اس لیے ان کے انداز بیان میں حشو وزوائد کا گذر نہیں ہے، انہیں دو اور دو چار کی طرح اپنی بات رکھنے کا فن آتا ہے، اس لیے مشکل مباحث بھی ان کی تحریروں سے قاری کی ذہنی گرفت سے گریزاں نہیں ہوتے، بات عقیدۂ رسالت کی ہو یا سیرت کے واقعات کی وہ بہت سادہ لفظوں میں حقیقت بیان کردیتے ہیں، وہ اسلوب اور تعبیر میں اس کا خیال رکھتے ہیں کہ بات متنازع امور کے دائرے میں نہ جائے، جو متفقہ امور، عقائد اور سیرت پاک کے صحیح اور سچے واقعات ہیں، ان کا انتخاب انہوں نے اس کتاب میں پیش کیا ہے اور بہت سارے رطب ویابس سے دامن کشاں گذر گئے ہیں انتخاب واقعات اور عقیدہ کے اس طریقہ کی وجہ سے یہ کتاب سب کے لئے قابل قبول بن گئی ہے، کتاب کے آخر میں حدیث وسیرت کے جن حوالہ جاتی کتب کا ذکر ہے ان میں عربی و اردو دونوں زبانوں کی کتابیں ہیں، غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے عربی کتب کے اردو تراجم سے استفادہ کیا ہوگا، حالاں کہ پروفیسر صاحب قرآن کی تفسیر بھی ہر ہفتہ بیان کرتے ہیں، جن میں ان کے مریدین متوسلین اور معتقدین کثرت سے شریک ہوتے ہیں، پروفیسر یونس حسین حکیم صاحب صوفی شہباز علی قادری چشتی کے خلیفہ ہیں، جنہیں سید نورالدین احمد قادری جیلانی سے خلافت ملی تھی، اس حوالہ سے بھی کالج واسکول کے طلبہ اور شاگردوں کی اصلاح کا کام کرتے ہیں، وہ ایک فعال اور متحرک شخص ہیں، عمر کی اس منزل میں جب ان کی زندگی کا سفینہ اسی (۸۰) کی دہائی کراس کرنے والا ہے، وہ انتہائی مستعد اور چاق وچوبند نظر آتے ہیں، وہ چیرمین بہار اسٹیٹ مدرسہ بورڈ بھی رہے ہیں اور ابھی حال ہی میں بہار ریاستی اقلیتی کمیشن کے چیرمین کے عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں اور دونوں عہدے پر رہتے ہوئے جو کچھ ان سے بن پڑا کرنے سے دریغ نہیں کیا، ماضی قریب میں جو مدارس ملحقہ باتنخواہ ہوئے اور جو بقیہ کے لئے کوشش ہورہی ہے، اس کی داغ بیل بھی انہوں نے اپنے وقت میں ہی ڈالی تھی، گذشتہ کئی برسوں سے درس قرآن دینا، دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا اور مذہبی جلسوں میں تقریر کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے، اللہ سے ان کی کتاب کی مقبولیت کے ساتھ موصوف کی محبوبیت اور اخروی زندگی میں مغفرت کی بھی دعا کرنی چاہیئے، ہماری خواہش تو یہی ہے کہ وہ اپنے عمر کی سنچری لگالیں اور جب تک رہیں صحت وعافیت کے ساتھ رہیں۔

حکایات اھل دل

مولانا رضوان احمد ندوی

خلیفہ مامون الرشید-اسلامی عدالت میں

ایک شخص خلیفہ مامون الرشید کے پاس آیا اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا جس میں خود امیر المؤمنین مامون الرشید کے ظلم کی شکایت درج تھی، رقعہ پڑھ کر مامون نے کہا: ''میں نے تم پر کیا ظلم کیا ہے؟ وہ شخص بولا: یا امیر المؤمنین! کیا آپ کے سوا کسی اور سے مخاطب ہوں؟ مامون نے پوچھا تمہیں کیا شکایت ہے: وہ شخص کہنے لگا آپ کے وکیل سعید نے تیس ہزار کے جواہرات مجھ سے خریدے اور دام ادا نہیں کئے، مامون نے کہا: خریدے سعید نے اور شکایت مجھ سے کررہے ہو۔ وہ گویا ہوا: ''ہاں، کیوں کہ اس کے پاس آپ کی سندوکالت ہے جو اس نے اس سودے میں پیش کی تھی۔ مامون نے کہا: ''ہوسکتا ہے وہ اپنے لئے خریدے ہوں، جس کی ذمہ داری خود اسی پر ہے، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس میں میری کوئی زیادتی ہے، وہ شخص کہنے لگا: کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے کہ مدعی کے ذمہ بار ثبوت ہے اور منکر کے ذمہ بار حلف'' مامون نے کہا لیکن تمہارے ثبوت کہاں ہے۔ اس شخص نے کہا قاضی کے ہاں چلئے وہیں ثبوت پیش ہوگا اور وہیں فیصلہ ہوگا، مامون نے کہا: ''ٹھیک ہے، پھر اس نے خادم کو حکم دیا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم کو بلا بلاؤ، قاضی صاحب تشریف لائے تو مامون نے ان سے کہا، ہمارے قضیہ کا فیصلہ کیجئے، قاضی نے کہا فیصلہ دربار میں نہیں بلکہ عدالت میں ہوگا، یہ کہا اور اٹھ کر عدالت کی طرف چلے گئے اور وہاں فریقین کو طلب کیا، فریادی پیش ہوا تو پوچھا، تم کیا کہتے ہو؟ وہ بولا: میری گذارش یہ ہے کہ مدعا علیہ یعنی امیر المومنین کو بھی حاضر کیا جائے، نقیب نے خلیفہ کا نام لے کر پکارا تو مامون بھی قاضی کے سامنے حاضر ہوا، اس کے ساتھ غلام تھا جو مسند اٹھائے ہوئے تھا، مامون قاضی کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا، یحییٰ نے کہا بیٹھئے: مامون کے غلام نے آگے بڑھ کر مسند لگادی اور مامون اس پر بیٹھنے لگا تو قاضی نے اسے اشارہ سے روک دیا اور کہا: ''یا امیر المومنین یہ عدالت ہے، اپنے فریق کے مقابلے میں کوئی امتیاز حاصل کرنے کی کوشش نہ کیجئے، اسلامی عدالت میں حکمراں اور رعیت سب برابر ہے، جب یہ ہو چکا تو دونوں کے بیانات لئے اور مامون سے حلف اٹھوایا، مامون نے قسم کھالی کہ اسے اس سودے کا علم نہیں، اس لئے اس کا فیصلہ ہوگیا۔

عدالت کی کارروائی ختم ہوئی تو قاضی یحییٰ تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے مامون نے پوچھا ''آپ کھڑے کیوں ہوئے، تو فرمایا پہلے میں مسند عدالت پر بیٹھا تھا اب عدالت برخاست ہوچکی ہے، اب مجھے حق نہیں کہ آپ پر امتیاز رکھوں''۔

بعد میں مامون نے تحقیقات کرائی، معلوم ہوا اس کے وکیل سعید نے اپنے لئے وہ جواہر خریدے تھے، اس نے وہ رقم تاجر سے سعید کو دلائی اور اسے خوش کردیا اور سعید سے کہا ''خدا کی قسم تم نے ہمیں رسواء کیا آئندہ یاد رکھو کہ اس شہر میں خلیفہ مامون ہی نہیں، قاضی یحییٰ بھی رہتا ہے۔

مولانا رومؒ کے والد کی بے نیازی

مولانا روم رحمہ اللہ کے والد اپنے زمانے کے بڑے پایہ کے بزرگ تھے، ان کی خدمت میں بادشاہ وقت بھی آتا تھا، جب بادشاہ وقت نے دیکھا کہ مجلس کا عجیب حال ہے کہ وزیر اعظم بھی وہاں موجود ہے اور دوسرے تیسرے نمبر کے وزراء بھی وہاں موجود ہیں اور سلطنت کے بڑے بڑے حکام و سرکردہ لوگ سارے وہاں موجود ہیں اور دوسری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو بڑے بڑے تاجر بھی وہاں موجود ہیں تیسری طرف دیکھتے ہیں تو علماء اور صلحاء بھی وہاں بیٹھے ہیں تو بادشاہ کو حیرت ہوئی کہ میرے دربار میں تو یہ لوگ آتے نہیں ہیں اور ان کے یہاں اس شان اور اتنی قدر کے ساتھ آ کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہر ایک کی صورت سے سراپا محبت اور عظمت ٹپک رہی ہے اور ان کی بزرگی سب پر چھائی ہوئی ہے، تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد بادشاہ کو بجائے حیرت کے غیرت پیدا ہونا شروع ہوگئی تو بادشاہ نے یہ تدبیر سوچی کہ ان کو مال اور خزانہ میں پھانس دیا جائے، چنانچہ یہ کہہ کر ان بزرگ کے پاس خزانہ کی کنجیاں بھیج دیں کہ میرے پاس اور کچھ تو رہا نہیں سب آپ کے پاس ہے، پس خزانہ کی کنجیاں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

رومی رحمہ اللہ کے والد نے کنجیاں یہ کہہ کر واپس کردیں کہ آج بدھ کا دن ہے، کل تک مجھے مہلت دیجئے، پرسوں جمعہ ہے، میں جمعہ کی نماز پڑھ کر آپ کا شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا، سب چیزیں آپ کو مبارک ہوں، یہ خبر لوگوں کے درمیان پھیل گئی تو وزیروں کی طرف سے استعفیٰ کا سلسلہ شروع ہوگیا، ایک وزیر کا استعفیٰ آیا پھر دوسرے کا آیا پھر تیسرے کا آیا کہ جب یہ حضرت یہاں سے جارہے ہیں تو ہم بھی چلے جائیں گے، شہر کے جو بڑے معزز باوقار لوگ تھے وہ چلے جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ جب بادشاہ نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا کہ اگر آپ یہ سب چلے جائیں گے تو شہر کی جان اور شہر کی روح نکل جائے گی اور شہر کی جتنی رونق ہے سب ختم ہوجائے گی، اس لئے خود حاضر ہوکر مولانا رومی رحمہ اللہ کے والد سے معافی مانگی کہ مجھ سے گستاخی ہوگئی، میں معافی چاہتا ہوں، آپ یہاں سے تشریف نہ لے جائیں، یہ سب اس لئے ہوا کہ مولانا روم رحمہ اللہ کے والد محترم نے ہر چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں قربان کردیا تھا، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے دل میں ان کی محبت پیدا فرمادی تھی اور اللہ نے ان کو کامل ولایت عطا فرمائی ''مَنْ عَادیٰ لِی وَلِیّاً فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ'' (جو میرے دوست سے دشمنی رکھتا ہے میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں) کا پورا منظر نظر آرہا تھا۔ (ماخوذ: بکھرے موتی)

شریعت کی آسانی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک بار مولانا حکیم معین الدین صاحب نانوتویؒ کے مہمان ہوئے حکیم صاحب کے یہاں اس دن فاقہ تھا تو انہوں نے مولانا سے صاف عرض کردیا کہ حضرت میرے یہاں تو آج فاقہ ہے، ہاں یہاں بعض لوگ آپ کے معتقد ہیں، وہ آپ کی دعوت کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ فرمائیں تو ان کو اجازت دے دوں، فرمایا میں تو تیرا مہمان ہوں جو تیرا حال ہے وہی میرا حال ہے، کسی سے کچھ نہ کہو شام تک سب فاقہ سے رہے، شام کو ایک مریض حکیم صاحب کے پاس آیا اور شکرانۂ صحت میں غالباً گیارہ روپے دے گیا، حکیم صاحب نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت اب خدا نے رزق بھیج دیا ہے، اب میں ذرا تکلف کے کھانے پکواؤں گا، حضرت نے منع کیا کہ تکلف نہ کرو مگر انہوں نے نہ مانا اور کہا کہ دن بھر تو فاقہ رہا اب جو خدا نے دیا ہے تو کیا اب بھی عمدہ کھانا نہ کھائیں۔

فائدہ: یہ ہے شریعت کی مہمانی جس میں ذرا بھی بار نہیں ہم لوگ خود تکلف کرکے پریشان ہوتے ہیں؟

اعتراف خطا بھی کمال ہے

مکہ معظّمہ میں ایک بزرگ عالم دین قرآن کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے، حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے حلقے میں کبھی کبھی بیٹھتے، ایک دن شیخ نے کسی مقام پر ایک فقہی مسئلہ میں غلطی کی اس وقت تو شاہ صاحب خاموش رہے جب درس ختم ہو چکا تو اس وقت پاس جا کر چپکے سے متنبہ کیا کہ یہ مسئلہ مجھ کو اس طرح یاد ہے، ان بزرگ نے فوراً تمام طلباء کو پکار کر واپس بلایا، سب جمع ہوگئے تو کہا **قد غلطنا فی ھٰذہ المسئلة و نبھنا علیه ھذا الشیخ و الصحیح ھٰکذا** یعنی ہم نے اس مسئلہ میں غلطی کی جس پر ہم کو اس شیخ (ہندی یعنی شاہ صاحب) نے متنبہ کیا اور صحیح تقریر اس کی یوں ہے، پھر شاہ صاحبؒ کی بیان کردہ تقریر کا اعادہ کیا۔

فائدہ: دیکھئے علماء یہ حضرات ہیں کہ ان کو یہ کہتے ہوئے ذرا بھی رکاوٹ نہ ہوئی کہ ہم سے یہاں غلطی ہوگئی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یوں بھی کہہ دیا کہ اس شیخ نے ہم کو متنبہ کیا، حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے خفیہ اسی لئے متنبہ کیا تھا کہ اگلے دن یہ اس مقام کی صحیح تقریر اپنی طرف سے کردیں گے مگر ان کو اتنا صبر کہاں تھا اسی وقت سب کو بلا کر صاف اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اپنے محسن کو بھی ظاہر کردیا، جس نے غلطی پر متنبہ کیا تھا اگر ہم جیسے ہوتے تو اول تو اپنی غلطی ہی کو تسلیم نہ کرتے، اسی میں بحث شروع کردیتے اور جو تسلیم بھی کرتے تو اس طرح صاف صاف اقرار نہ کرتے اور جو کرتے بھی تو یہ ظاہر نہ کرتے کہ اس غلطی پر ہم کو کسی دوسرے نے متنبہ کیا ہے، بلکہ اگلے دن اس طرح تقریر کرتے کہ طلبہ پر یہ ظاہر ہوتا کہ شیخ کو خود ہی تنبیہ ہوئی ہے، آخر یہ تکبر اور تصنع نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

میانہ روی اختیار کیجئے

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ایک مرید کم کھایا کرتے تھے، مولانا نے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ دماغ خشک ہوجائے گا اور یہ حدیث پڑھی ''**المومن القوی خیر من المومن الضعیف**'' کہ مسلمان قوی اور مضبوط کمزور سے بہتر ہے مگر مرید صاحب نے مولانا کی ایک نہ سنی اور غذا کم ہی کرتے رہے، پھر ان کو کچھ عربی عبارتیں نورانی حروف میں نظر آنے لگیں، مولانا سے بیان کیا، وہ اپنے دل میں سمجھتے تھے کہ بس مجھے کشف ہونے لگا اور میں بڑے درجے میں پہونچ گیا مولانا نے فرمایا کہ جنون کا مقدمہ شروع ہوگیا، تقلیل غذا... موقوف کرو، دودھ، گھی خوب کھاؤ اور طبیب سے دماغ کا علاج کراؤ ورنہ چند دن میں پاگل ہوجاؤ گے، مگر وہ اب بھی باز نہ آئے، چنانچہ چند روز بعد ان کو جنون ہوگیا، ننگے بیٹھے رہا کرتے اور ذکر کے بجائے گالیاں بکا کرتے۔

فائدہ: اطباء کا طریقہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ اس کے مناسب کرتے ہیں، شیوخ کاملین بھلا ایسا کیوں نہ کریں گے، اگر فہم ہو تو ان کے پاس رہ کر عامی آدمی بھی اس تفصیل کو سمجھ سکتا ہے۔

چنانچہ ایک شیخ کے پاس ایک مرید رہتا تھا جس کی غذا سب سے زیادہ تھی، دوسرے مریدوں نے شکایت کی کہ فلاں مرید بہت کھاتا ہے، شیخ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ بھائی سالک کو تقلیل غذا اختیار کرنی چاہئے، بہت نہ کھانا چاہئے، بلکہ اعتدال سے کھانا چاہئے، اس نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اعتدال جدا ہے، آپ نے پہلے میری اصل غذا تو دریافت فرمائی ہوتی اس کے بعد معلوم ہوگا کہ میرا اعتدال وہی ہے جو میں نے اختیار کیا، کیونکہ میں یہاں آنے سے پہلے ۴۵/روٹیاں کھایا کرتا تھا، اب پندرہ کھاتا ہوں، تو اعتدال ہوا یا اعتدال سے زیادہ اور جو لوگ خانقاہ میں پانچ روٹیاں کھاتے ہیں ان کی غذا پہلے سات آٹھ روٹیوں کی تھی تو ان کا یہی اعتدال ہے کہ وہ پانچ کھائیں۔

شیخ نے فرمایا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو، بس اس سے کم مت کرنا اور مریدوں سے فرمادیا کہ بھائی وہ زیادہ نہیں کھاتا اپنی خوراک سے بہت کم کھاتا ہے، تو دیکھئے صحبت کی برکت سے اس عامی آدمی کو معلوم ہوگیا کہ ہر ایک کا اعتدال جدا ہے، مجھے اپنی غذا اتنی نہ کم کرنی چاہئے جتنی اور لوگوں کی ہے، الغرض شریعت نے تمتع دنیا سے منع نہیں فرمایا، ترجیح دنیا علی الآخرۃ سے منع کیا ہے۔

کسب حلال

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک عورت نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک روز حضرت کے گھر میں تیل نہ تھا ایک رئیس کی سواری شب کو مکان کے سامنے سے گذری، سلسلہ دراز تھا، میں نے اپنے دروازے پر بیٹھ کر اس روشنی میں خرچہ چلایا، نہ معلوم وہ تیل حلال تھا یا حرام، اس صورت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں، دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ عرض کیا کہ میں بشر حافیؒ کی بہن ہوں، فرمایا کہ اگر کوئی اور ہوتا تو اجازت دیدیتا، بشر حافی کی بہن کو اجازت نہیں دے سکتا۔

اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا!

مولانا عبد الرشید طلحہ نعمانی

اسلام،امن وسلامتی کا سرچشمہ، ہمدردی وغمخواری کا مجسمہ اورانسانوں کے درمیان محبت ورواداری کوفروغ دینے والا مذہب ہے۔ یہ اللہ رب العزت کا وہ پسندیدہ دین ہے جواگرایک طرف بندوں کا رشتہ معبودِ حقیقی سے مضبوط کرتا ہے تو دوسری طرف انسانوں کے درمیان محبت و بھائی چارے کی فضا قائم کرتا ہے۔یہی وہ ضابطۂ حیات ہے جو بحیثیت انسان ہرایک کومحترم سمجھتااورانسانیت کے اعلیٰ قدروں کا ہرحال میں تحفظ کرتا ہے ،اسلام ہی انسانی تعلقات کی استواری اور نظام معاشرت کی پختگی کا مکمل لحاظ کرتا ہے، بھوک سے شکستہ حال لوگوں کو کھانا کھلانے ، پیاس سے نیم جان افراد کو پانی پلانے ، پریشان حالوں کی پریشانی کا ازالہ کرنے اور بیماروں کی عیادت ومزاج پرسی کرنے کا درس دیتا ہے۔مشکوۃ شریف کی روایت ہے کہ جس نے بھوکوں کو کھانا کھلایا، پیاسے کو پانی پلایا اور بیمار کی عیادت کی گویا اس نے اللہ کو کھلایا اللہ کو پلایا اوراللہ کی عیادت کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کواخلاق کی ایسی بیش بہا دولت اور قیمتی نعمت سے نوازا ہے، جو پورے دین کو جامع اوراس کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ ہے نیز سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان واخلاق کو باہم اس طرح آمیز بتلایا کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔اسلام اعلیٰ اخلاق کے بغیر بے جان ہے۔حدیث شریف میں اسلام کوعین اخلاق فرمایا گیا ہے حتیٰ کہ عبادت کی خوبی اور مقبولیت کو پاکیزگی اخلاق سے مشروط کردیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایمان کی روح کے بعد دعوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوبازو ہیں ایک عبادت دوسرا اخلاق، ایک خالق کا حق ہے اور دوسرا مخلوق کا۔انہی کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے باب میں ایک نہایت بلیغ اور بڑی جامع ہدایت فرمائی ہے کہ ’’بندہ تکمیل ایمان کے رتبے پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ سارے آدمیوں کے لیے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے‘‘۔اس سے بڑھ کر بنی نوع انسان کی خیر طلبی کا معیار نہیں ہوسکتا۔اخلاق کی بلندی یہی ہے اوراچھے اخلاق ہی وہ ستون ہیں جن پر صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔اخلاق ہی سے قوت وطاقت،عزت وسلطنت اور عظمت ورفعت حاصل ہوتی ہے۔اخلاق ہی وہ شان ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی نیابت کا رنگ پایا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اسلام نے بلند اخلاق واعلی اقدار کا یہ درس مذہب سے بلندتر ہوکر دیا اور مسلم وغیر مسلم کی کوئی حد بندی نہیں کی پھر یہ محض تلقینِ زبانی نہیں تھی؛ بلکہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل بھی کیا؛ کیوں کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ ایک انسان، زندگی کے کسی بھی شعبہ میں قدم رکھنے اورآگے بڑھنے سے پہلے اپنے سے بہتر شخص کے عمل وکردار کو بطورنمونہ دیکھنا چاہتا ہے اور جو شخص کسی بھی حوالے سے اس کی نظروں میں بہتر اور خوب تر قرار پاتا ہے اس کی پیروی کو وہ اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔’’آئیڈیل کی تلاش‘‘ کا تصوراسی انسانی فطرت کا اظہار ہے اوراللہ رب العزت نے نسل انسانی کی ہدایت وراہنمائی کے نظام میں اس کی فطرت کے اس پہلو کا لحاظ رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورہ الفاتحہ میں انسان کو ہدایت کے لیے جودعا سکھائی گئی ہے وہ یہی ہے کہ ’’اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیراانعام واکرام ہوا، نہ کہ ان لوگوں کے راستے پر جوتیرے غضب کا شکار ہوئے‘‘۔(سورۃ الفاتحہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سراپا مجموعۂ صفاتِ حمیدہ ہے،آپؐ کی حیات مبارکہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اربابِ دانش وبینش اوراہلِ فکر وبصیرت سے خراج عقیدت وصول نہ کرچکا ہو؛ لیکن آنحضرتؐ کی زندگی کا سب سے نمایاں اور حسین پہلو جس نے دوست ودشمن سب کواس بارگاہِ خیر وحسن میں سرنیاز خم کرنے پر مجبور کردیا، آپؐ کے اخلاق کریمانہ ہیں؛ جسے قران کریم نے ’’خلق عظیم‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے "کان خلقہ القرآن" کہہ کر اسے قرآن پاک کی عملی تعبیر وتفسیر قرار دیا ہے۔

جناب رسالت مآب ایک حدیث میں خود اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔ایک اورروایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ’’مجھے اچھے کام مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے‘‘۔اور یہ امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اچھے کاموں یعنی مکارم اخلاق کو جن بلندیوں سے ہمکنار کیا ان کی مثال پیش کرنے سے تاریخ آج تک قاصر ہے۔آپؐ نے اپنے پیروکاروں کو بھی اچھی عادات اور بہتر معاملات کی تلقین فرمائی ہے۔اوراخلاق کریمانہ انہی دوامور سے عبارت ہے۔

اخلاق حسنہ کے اعلی نمونے:

اسی لیے جب ہم سیر وتاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو غیر مسلموں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور عمدہ معاشرت کے درجنوں نمونے ’’سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ میں جابجا نظر آتے ہیں، غیر مسلموں کے ساتھ زبانی وعملی ہمدردی، نصح وخیر خواہی اوران کے حقوق کا خاص خیال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کا حصہ تھا۔اکثر مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو مالی وجانی تعاون فراہم کیا ہے اور یہ تعاون صرف انسانیت کے ناطے ہوا کرتا تھا۔

ایسی ان گنت مثالیں ہیں کہ محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اورحسن سلوک سے متاثر ہوکر غیر مسلم افراد اسلام قبول کرلیا کرتے تھے، چناں چہ مشکوۃ شریف میں امام بیہقی کی دلائل النبوۃ کے حوالہ سے ایک روایت ہے؛ جس میں ایک یہودی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کا واقعہ نقل کیا گیا ہے ،حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی تھا، جس کو ’’فلاں عالم‘‘ کہا جاتا تھا (یعنی وہ یہود کے بڑے علماء میں سے تھا) اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چند دینار قرض تھے،اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے یہودی! میرے پاس کچھ نہیں کہ تجھے دوں۔اس نے کہا: محمد! میں اس وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک آپ میرا قرض ادا نہ کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا! میں تیرے پاس بیٹھ جاتا ہوں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے بیٹھ گئے ،(اور اسی مقام پر) ظہر، عصر، مغرب، عشا اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اس یہودی کو دھمکاتے تھے اور نکال دینے کا خوف دلاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو محسوس کیا تو آپ نے صحابہ کو اس سے منع فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ایک یہودی آپ کو روک سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے منع کیا ہے کہ میں اس شخص پر ظلم کروں جو ہماری پناہ میں ہے، یا جو ہماری پناہ میں نہیں۔

پھر جب دن چڑھا، یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، میرے مال کا آدھا حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، خدا کی قسم! میں نے آپ کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ محض اس لیے کیا، تاکہ میں دیکھوں کہ آپ کی جو صفات تورات میں مذکور ہیں وہ آپ میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔تورات میں لکھا ہے: محمد بن عبد اللہ مکہ میں پیدا ہوگا، طیبہ کی طرف ہجرت کرے گا اوراس کی حکومت شام میں ہوگی، وہ بدزبان وسنگ دل نہ ہوگا اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا اور نہ فحش گوئی اس میں ہوگی اور نہ وہ بیہودہ بات کہنے والا ہوگا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، یہ میرا مال موجود ہے، خدا کے حکم سے جہاں اس کو چاہیں خرچ فرمایئے۔

اسی طرح لوگوں کی بداخلاقی اور برے سلوک کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر وتحمل اور خوش اخلاقی بھی لاجواب وبے مثال تھی۔مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جارہا تھا، آپ نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے، جس کے کنارے موٹے تھے، راستے میں آپ کو ایک دیہاتی ملا، جس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر اس قدر سختی سے اپنی طرف کھینچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سینہ کے قریب ہوگئے، میں نے دیکھا تو آپ کی چادر کے کنارے نے آپ کی گردن پر نشان ڈال دیا تھا۔پھر اس دیہاتی نے کہا: اے محمد! تمھارے پاس خدا کا مال ہے، اس میں سے مجھ کو کچھ دلوایئے ،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، مسکرائے اور پھر آپ نے اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔

ان کے علاوہ سفر طائف کی خوں چکاں داستاں، فتح مکہ کا کرمِ بے کراں اور میثاق مدینہ کا اہم ترین اقدام وغیرہ پر مشتمل درجنوں واقعات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کی عکاسی اور دین اسلام کے مبنی برفطرت ہونے کی غمازی کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

اس وقت مسلمان، انفرادی واجتماعی اعتبار سے جن مسائل کے شکار ہیں بالخصوص بھیڑ کے ذریعہ قتل کے جو واقعات پیش آرہے ہیں وہ نہایت قابل تشویش ہیں۔گذشتہ چند سالوں میں ہجومی تشدد کے کئی واقعات سامنے آئے ہیں، یہ جرم ایک وبا کی طرح پھیلتا جارہا ہے۔ 20 جون کو جھارکھنڈ کے رام گڑھ میں توحید انصاری کو ہلاک کیا گیا۔ہاپور میں عیدالفطر کے دو دن بعد ہی ہجوم نے دو مسلمانوں کو زدوکوب کرکے ہلاک کیا ۔اس واقعہ سے پانچ دن قبل 13 جون کو جھارکھنڈ کے گوڑا میں ہجوم نے دو مسلمانوں کو بری طرح زدوکوب کرکے مارڈالا۔دادری کے اخلاق کی موت کے بعد ہجومی تشدد کے ذریعہ مسلمانوں کو ہلاک کرنے کا فرقہ پرستوں کو گویا لائسنس مل گیا ہے۔اخلاق حسن، پہلو خاں، جنید قاسم، محمد اکبر اور اس طرح کئی نام ہیں، جو اس بات کا اشارہ دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کی آنے والی زندگی کس طرح گذرے گی اور مسلمانوں کو کس طرح لائحۂ عمل تیار کرنا ہوگا۔

ملک کی یہ عمومی صورت حال ہمیں دعوتِ احتساب دیتی ہے کہ ہم ان حالات کو صرف ظاہری اسباب سے جوڑ کر نہ دیکھیں؛ بلکہ عملی اعتبار سے اپنا محاسبہ بھی کریں کہ ہم میں کس چیز کی کمی ہے اور کیا غلطی ہم سے سرزد ہورہی ہے؟

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو برادران وطن سے تعلقات بڑھانے، ان تک اسلام کی سچی تعلیمات پہونچانے، اور ان کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی آج اشد ضرورت ہے؛ بل کہ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ موجودہ ملک کے ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے یہی وقت کا سب سے بڑا تقاضا اور مسلمانوں کے لیے زبردست چیلنج ہے۔اسی کے ساتھ ساتھ ہم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور آپسی اختلاف کو انتشار کا سبب نہ بنائیں، ایک دوسرے کا احترام ہو، امت کے اجتماعی مفاد میں سرجوڑ کر بیٹھا جائے اور آئندہ کے لیے ٹھوس نظام العمل مرتب کیا جائے، تب کہیں جاکر کشتی ملت اس بھنور سے نکل سکتی ہے۔

تُو رازِ کن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اُخوّت کا بیاں ہو جا، محبّت کی زباں ہو جا

ماہ محرم الحرام سے ہجری سال کی ابتداء کیوں؟

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔یعنی محرم الحرام سے ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے اور ذی الحجہ پر ہجری سال کا اختتام ہوتا ہے۔ یہ ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دئے ہیں۔اس ماہ کو حضور اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کا مہینہ قرار دیا ہے۔ یوں تو سارے ہی دن اور مہینے اللہ تعالیٰ کے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے سے اس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ ماہ محرم کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس مہینے کا روزہ رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں حضور اکرمؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک صاحب نے آکر پوچھا یارسول اللہ رمضان کے مہینہ کے بعد کس مہینے کے روزے رکھنے کا آپ مجھے حکم دیتے ہیں تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اگر رمضان کے مہینہ کے بعد تم کو روزہ رکھنا ہو تو محرم کا روزہ رکھو اس لئے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے۔اس میں ایک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی اور دوسرے لوگوں کی توبہ بھی قبول فرمائیں گے (ترمذی)۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی سال کی ابتدا ماہ محرم الحرام سے ہی کیوں کی گئی؟ جبکہ نبی اکرمؐ کی ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ماہِ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ جواب سے پہلے چند ایسے امور ملاحظہ فرمائیں جن کے متعلق تقریباً تمام مورخین متفق ہیں (۱) ہجری سال کا استعمال حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں صحابہ کرام کے مشورے کے بعد ۱۷ ہجری میں شروع ہوا۔(۲) ہجری سال کے کیلنڈر کا افتتاح اگرچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ہوا تھا، مگر تمام بارہ اسلامی مہینوں کے نام اور ان کی ترتیب نہ صرف نبی اکرمؐ کے زمانے بلکہ عرصہ دراز سے چلی آرہی تھی اور ان بارہ مہینوں میں سے حرمت والے چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب) کی تحدید بھی زمانہ قدیم سے چلی آرہی تھی۔اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔(سورہ توبہ ۳۶)

(۳) اسلامی کیلنڈر (ہجری) کے افتتاح سے قبل عربوں میں مختلف واقعات سے سال کو موسوم کیا جاتا تھا۔جس کی وجہ سے عربوں میں مختلف کیلنڈر رائج تھے اور ہر کیلنڈر کی ابتدا محرم الحرام سے ہی ہوتی تھی۔اب جواب عرض ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں جب ایک نئے اسلامی کیلنڈر کو شروع کرنے کی بات آئی تو صحابہ کرامؓ نے اسلامی کیلنڈر کی ابتدا کو نبی اکرمؐ کی ولادت یا نبوت یا ہجرتِ مدینہ سے شروع کرنے کے مختلف مشورے دئے۔آخر میں صحابہ کرام کے مشورہ سے ہجرتِ مدینہ منورہ کے سال کو بنیاد بنا کر ایک نئے اسلامی کیلنڈر کا آغاز کیا گیا۔یعنی ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے تمام سالوں کی زیرو (Zero) کر دیا گیا اور ہجرت مدینہ منورہ کے سال کو پہلا سال تسلیم کرلیا گیا، رہی مہینوں کی ترتیب تو وہ عربوں میں رائج مختلف کیلنڈروں کے مطابق رکھی گئی، یعنی محرم الحرام سے سال کی ابتدا۔غرض یہ ہے کہ عربوں میں محرم الحرام کا مہینہ قدیم زمانے سے سال کا پہلا ہی مہینہ رہتا تھا، لہذا اسلامی سال کو شروع کرتے وقت اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، لہذا ہجرت مدینہ منورہ سے نیا اسلامی کیلنڈر تو شروع ہو گیا، مگر مہینوں کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

سورج کے نظام سے عیسوی کیلنڈر میں 365 یا 366 دن ہوتے ہیں، جبکہ ہجری کیلنڈر میں 354 دن ہوتے ہیں۔ ہر کیلنڈر میں 12 ہی مہینے ہوتے ہیں۔ہجری کیلنڈر میں مہینہ 29 یا 30 دن کا ہوتا ہے جبکہ عیسوی کیلنڈر میں سات مہینہ 31 دن کے، چار ماہ 30 دن اور ایک ماہ 28 یا 29 دن کا ہوتا ہے۔سورج اور چاند دونوں کا نظام اللہ ہی نے بنایا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں متعدد عبادتیں ہجری کیلنڈر سے مربوط ہیں۔ دونوں کیلنڈر میں 10 یا 11 روز کا فرق ہونے کی وجہ سے بعض مخصوص عبادتوں کا وقت ایک موسم سے دوسرے موسم میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہ موسموں کی تبدیلی بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ موسم کیسے تبدیل ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر غور وخوض کرنے کی دعوت دینی چاہئے۔ظاہر ہے کہ یہ صرف اور صرف اللہ کا حکم ہے جس نے متعدد موسم بنائے اور ہر موسم میں موسم کے اعتبار سے متعدد چیزیں بنائیں۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں ان عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں (اور انہیں دیکھ کر بول اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔آپ پاک ہیں، پس ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے (آل عمران: 190.191) ہم نئے ہجری سال پر عزم مصمم کریں کہ زندگی کے جتنے ایام باقی بچے ہیں ان شاء اللہ اپنے مولا کو راضی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ابھی ہم بقید حیات ہیں اور موت کا فرشتہ ہماری جان نکالنے کے لئے کب آجائے، معلوم نہیں۔حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ''پانچ امور سے قبل پانچ امور سے فائدہ اٹھایا جائے۔ بڑھاپا آنے سے قبل جوانی سے۔ مرنے سے قبل زندگی سے۔کام آنے سے قبل خالی وقت سے۔غربت آنے سے قبل مال سے۔ بیماری سے قبل صحت سے'' (مستدرک الحاکم ومصنف بن ابی شیبہ)۔اسی طرح حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کسی انسان کا قدم اللہ تعالیٰ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتا یہاں تک کہ وہ مذکورہ سوالات کا جواب دیدے۔زندگی کہاں گزاری؟ جوانی کہاں لگائی؟ مال کہاں سے کمایا؟ یعنی حصولِ مال کے اسباب حلال تھے یا حرام۔مال کہاں خرچ کیا؟ یعنی مال سے متعلق اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کئے یا نہیں۔علم پر کتنا عمل کیا؟۔ہمیں ہجری سال کے اختتام پر یہ محاسبہ کرنا چاہئے کہ ہمارے نامہ اعمال میں کتنی نیکیاں اور کتنی برائیاں لکھی گئیں۔کیا ہم نے امسال اپنے نامہ اعمال میں ایسے نیک اعمال درج کرائے کہ کل قیامت کے دن ان کو دیکھ کر ہم خوش ہوں اور جو ہمارے لئے دنیا وآخرت میں نفع بخش بنیں؟ یا ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ایسے اعمال ہمارے نامہ اعمال میں درج ہو گئے جو ہماری دنیا وآخرت کی ناکامی کا ذریعہ بنیں گے؟ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہوگا کہ امسال اللہ کی اطاعت میں بڑھوتری ہوئی یا کمی آئی؟ ہماری نمازیں، روزے اور صدقات وغیرہ صحیح طریقہ سے ادا ہوئے یا نہیں؟ ہماری نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا ہوئیں یا پھر وہی طریقہ باقی رہا جو بچپن سے جاری ہے؟ روزوں کی وجہ سے ہمارے اندر اللہ کا خوف پیدا ہوا یا صرف صبح سے شام تک بھوکا رہنا؟ ہم نے یتیموں اور بیواؤں کا خیال رکھا یا نہیں؟ ہمارے معاملات میں تبدیلی آئی یا نہیں؟ ہمارے اخلاق نبی اکرمؐ کے اخلاق کا نمونہ بنے یا نہیں؟ جو علم ہم نے حاصل کیا تھا وہ دوسروں کو پہنچایا یا نہیں؟ ہم نے اپنے بچوں کی ہمیشہ ہمیش کی زندگی میں کامیابی کے لئے کچھ اقدامات بھی کئے یا صرف ان کی دنیاوی تعلیم اور ان کو دنیاوی سہولیات فراہم کرنے کی ہی فکر کرتے رہے؟ ہم نے امسال انسانوں کو ایذائیں پہنچائی یا ان کی راحت رسانی کے انتظام کئے؟ ہم نے یتیموں اور بیواوں کی مدد بھی کی یا صرف تماشہ دیکھتے رہے؟ ہم نے قرآن کریم کے ہمارے اوپر جو حقوق ہیں وہ ادا بھی کئے یا نہیں؟ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی یا نافرمانی؟ ہمارے پڑوسی ہماری تکلیفوں سے محفوظ رہے یا نہیں؟ ہم نے والدین، پڑوسی اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کئے یا نہیں؟

سورۂ عصر اور کامیابی کی چار منزلیں

مولانا ابوالکلام آزادؒ

قوموں کی زندگی کی ایک بہت بڑی علامت یہ ہے کہ ان کا دل امید کا دائمی آشیانہ ہوتا ہے اور خواہ ناکامی اور مصائب کا کتنا ہی ہجوم ہو؛ مگر امید کا طائر مقدس ان کے گوشے سے نہیں اڑتا، وہ دنیا کو ایک کارگاہ عمل سمجھتے ہیں اور امید کہتی ہے کہ یہاں جو کچھ ہے صرف تمہارے لیے ہے۔اگر آج تم اس پر قابض نہیں تو غم نہیں کیوں کہ عمل وجہد کے بعد کل کو وہ تمہارے ہی لیے ہونے والی ہے۔ مصیبتیں جس قدر آتی ہیں وہ ان کو صبر وتحمل کی ڈھال پر روکتے ہیں اور غم واندوہ سے اپنے دماغ کو معطل نہیں ہونے دیتے بلکہ مصیبتوں کو دور کرنے اور ان کی صفوں پر غالب آنے کی تدابیر پر غور کرتے ہیں، نامرادی ان کے دلوں کو مجروح کرتی ہے مایوس نہیں کرتی اور غم کے لشکر سے ہزیمت اٹھاتے ہیں، پر بھاگتے نہیں۔

گردش زمانہ شاہد ہے کہ ہر جماعت خسارہ میں گھری ہوئی ہے؛ مگر وہی جو یہ چار کام انجام دیں۔ایمان لائیں اور عمل صالح کریں، حق وصداقت کا اعلان کرتے رہیں اور صبر کی تلقین کریں، زمانہ اس لیے شاہد ہے کہ اس آسمان کے نیچے قوموں اور جماعتوں کی بربادی وکامیابی اور ارتقاء وانحطاط کی کہانی جتنی پرانی ہے اتنا ہی پرانا زمانہ بھی ہے۔دنیا میں اگر کوئی اس انقلاب اقوام کا ہم عصر ہوسکتا ہے تو وہ صرف زمانہ ہے۔پھر قوموں کی تباہی وبربادی اور کامیابی وفلاح جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے وہ زمانہ کی گود میں ہوا۔پس انقلاب امم پر اگر کوئی چیز گواہ ہوسکتی ہے تو وہ صرف گردش ایام ہی تھا؛ اس لیے قرآن نے زمانہ کو اس پر شاہد اور گواہ بنایا کہ زمانہ اور اس کی گردش ورفتار اس بات پر شاہد ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ان اصول چہارگانہ کو نہ اپنا لے۔پس قرآن اعلان کرتا ہے کہ اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے لیے انسانوں کی تلاشوں اور جستجوؤں کے لیے اور امیدوں وتمناؤں کے لیے بڑی بڑی ناکامیاں ہیں گھاٹے اور ٹوٹے ہیں، خسران اور نامرادی ہے، محرومی اور بے مرادی ہے؛ لیکن دنیا کی اس عام نامرادی سے کون انسان ہے، کون جماعت ہے جو کہ بچ سکتی ہے اور ناکامیابی کی جگہ کامیابی اور ناامیدی کی جگہ امید اس کے دل میں اپنا آشیانہ بنا سکتی ہے۔وہ کون انسان ہیں، وہ انسان جو کہ دنیا میں ان چار شرطوں کو قولاً وعملاً اپنے اندر پیدا کرلیں۔جب تک یہ پیدا نہ ہوں گی، اس وقت تک دنیا میں نہ کوئی قوم کامیاب ہوسکتی اور نہ ملک؛ حتی کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی کامیابی نہیں پاسکتے۔

کامیابی کی پہلی منزل وہ ہے؛ جس کا نام قرآن کی بولی میں ایمان ہے۔الا الذین امنو۔تم جبھی کامیابی پاسکتے ہو جب تمہارے دلوں کے اندر اور روح وفکر میں وہ چیز پیدا ہو جائے جس کا نام قرآن کی زبان میں ایمان ہے، ایمان کے معنی عربی زبان میں زوال شک کے ہیں یعنی کامل درجہ کا بھروسہ اور کامل درجہ کا اقرار تمہارے دل میں پیدا ہو جائے۔جب تک کامل درجہ کا یقین تمہارے دلوں کے اندر پیدا نہ ہو اور اللہ کی صداقت وسچائی اور اللہ کے قوانین واصولوں پر کامل یقین تمہارے قلوب میں موجزن نہ ہو جائے تب تک کامیابی کا کوئی دروازہ تمہارے لیے نہیں کھل سکتا۔

دوسری منزل اس کے بعد آتی ہے جب تک وہ دوسری منزل بھی کامیابی کے ساتھ طے نہ کرلوگے تو صرف پہلی منزل کو طے کرکے کامیابی نہیں پاسکتے۔اس کا نام قرآن کی زبان میں عمل صالح ہے۔وعملوا الصلحت۔یعنی وہ کام جو اچھائی کے ساتھ کیا جائے؛ جس کام کو جس صحت اور جس طریقے کے ساتھ کرنا چاہیے اور جو طریقہ اس کے لیے سچا طریقہ ہوسکتا ہے، اس کام کو اسی کے ساتھ انجام دیا جائے۔اس سے سادہ تر الفاظ میں یہ کہ جو طریقہ اس کام کے انجام دینے کا صحیح طریقہ ہوسکتا ہے، اسے اسی طریقہ کے ساتھ انجام دیا جائے۔قرآن کا یہ اصول تو عام ہے؛ کیوں کہ ایمان کے معنی ہیں وہ کامل یقین وکامل اطمینان اور اقرار جو عمل سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔

تیسری منزل ہے توحید حق کی۔وتواصوا بالحق۔یعنی ان منزلوں سے کامیابی کے ساتھ گذرنے کے بعد تیسری منزل کو بھی کامیابی سے طے کرو یعنی دنیا میں خدا کی سچائی کا پیغام پہنچاؤ۔جب تک تم میں یہ بات نہ ہو کہ تمہارا دل سچائی کے اعلان کے لیے تڑپنے لگے، تب تک تم کو کامیابی نہیں مل سکتی۔اب اگر تیسری منزل کے لیے تیار ہو گئے۔اگر توفیق الٰہی نے تمہاری دستگیری کی اور تم نے یہ منزل بھی کامیابی کے ساتھ طے کرلی ہے تو کیا پھر مقصود حاصل ہو جائے گا اور کچھ نہ کرنا پڑے گا۔قرآن کہتا ہے، نہیں! بلکہ ایک اور آخری منزل بھی ہے جو کہ اعلان صبر کی منزل ہے۔وتواصوا بالصبر۔اعلان صبر کی منزل اعلان حق کی منزل کے ساتھ لازم وملزوم کا رشتہ رکھتی ہے۔اس کے ساتھ اس کی گردن اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ جدا نہیں کی جاسکتی۔فرمایا کہ حق کا وہ اعلان کریں گے، حق کا پیغام پہنچائیں گے، حق کا پیغام سنائیں گے، حق کی دعوت دیں گے، حق کی تبلیغ کریں گے۔حق کا چیلنج کریں گے، حق کا پروپیگنڈا کریں گے؛ لیکن حق کا یہ حال ہے کہ حق کی راہ میں کوئی قدم نہیں اٹھ سکتا، جب تک قربانیوں کے لیے نہ اٹھے۔حق کا پیغام پہنچانا بغیر قربانی وایثار کے ایسا ہی ہے جیسا کہ آگ کو ہاتھ میں پکڑ لینا، بغیر اس کی گرمی کے۔جیسے یہ ناممکن ہے، ویسے ہی وہ بھی محال ہے اس لیے چوتھی منزل صبر کی ہے، جب تک یہ منزل بھی طے نہ کی جائے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔اعلان صبر کی منزل اعلان حق کی منزل کے ساتھ لازم وملزوم کا رشتہ رکھتی ہے۔اس کے ساتھ اس کی گردن اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ جدا نہیں کی جاسکتی۔

اخبارِ جہاں

محمد عادل فریدی

تائیوان کے بارے میں امریکہ اور چین کے درمیان تلخ کلامی

امریکہ اور چین کے صدور نے دو گھنٹے سے زائد جاری رہنے والی ویڈیو کال کے دوران تائیوان کے مسئلے پر ایک دوسرے کو متنبہ کیا۔ چینی صدر نے اپنے امریکی ہم منصب سے کہا کہ ''جو آگ سے کھیلتا ہے وہ راکھ ہو جاتا ہے۔'' چینی اور امریکی صدر کے درمیان ویڈیو کال کے ذریعے بات چیت امریکی کانگریس کی اسپیکر نینسی پیلوسی کے مجوزہ دورہ تائیوان پر پائے جانے والے خدشات کے پس منظر میں ہوئی، جو سوا دو گھنٹے سے بھی زیادہ دیر تک جاری رہی۔ دونوں رہنماؤں کے درمیان کئی معاشی و متنازعہ امور پر بھی تبادلہ خیال ہوا، تاہم اس کا مرکزی موضوع تائیوان کا تنازعہ تھا۔ چینی صدر شی جن پنگ نے بات چیت کے دوران اپنے امریکی ہم منصب جو بائیڈن سے کہا کہ چین تائیوان کی آزادی کے ساتھ ہی، کسی بھی بیرونی مداخلت کا بھی سخت مخالف ہے۔ امریکی صدر جو بائیڈن کے ساتھ وزیر خارجہ انٹونی بلنکن اور دیگر اعلیٰ امریکی حکام بھی اس فون کال میں شامل تھے اور وائٹ ہاؤس کے مطابق یہ بات چیت دو گھنٹے 17 منٹ تک جاری رہی۔ بعد میں ایک امریکی اہلکار نے بتایا کہ تائیوان کے بارے میں دونوں رہنماؤں کے درمیان ہونے والی گفتگو براہ راست اور ایماندارانہ تھی۔ (ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)

امریکہ سے فوجی تصادم کے لیے تیار ہیں: شمالی کوریا

شمالی کوریا کے رہنما کم جونگ اُن نے دعویٰ کیا ہے کہ شمالی کوریا اپنے جوہری جنگی ہتھیاروں کو متحرک کرنے کے لیے تیار ہے۔ سرکاری خبر رساں ایجنسی کے سی این اے نے اطلاع دی ہے کہ کوریائی جنگ کی سالگرہ کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر کم نے مزید کہا کہ ملک امریکہ کے ساتھ کسی بھی فوجی تصادم کے لیے مکمل طور پر تیار ہے، یہ تبصرے اس تشویش کے دوران سامنے آئے ہیں کہ شمالی کوریا ساتویں جوہری تجربے کی تیاری کر رہا ہے۔ امریکہ نے گزشتہ ماہ خبردار کیا تھا کہ پیانگ یانگ کسی بھی وقت ایسا تجربہ کر سکتا ہے۔ شمالی کوریا نے اپنا آخری جوہری تجربہ 2017 میں کیا تھا۔ شمالی کوریا کے لیے امریکہ کے خصوصی نمائندے سونگ کم کا کہنا ہے کہ شمالی کوریا نے اس سال غیر معمولی تعداد میں میزائلوں کے تجربات کیے ہیں۔ اس برس شمالی کوریا نے 31 تجربات کیے ہیں جبکہ 2019 میں شمالی کوریا نے 25 تجربات کیے تھے۔ (بی بی سی لندن)

سعودی ولی عہد محمد بن سلمان کا دورہ فرانس، صدر میکرون نے کیا استقبال

فرانس کے صدر عمانویل میکرون نے سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان بن عبدالعزیز کا ایلیسی محل میں خیر مقدم کیا۔ جہاں ان کے درمیان مذاکرات ہوں گے اور دو طرفہ معاہدات اور علاقائی ترقی کے امور پر بات ہوگی۔ شہزادہ محمد بن سلمان فرانس اپنے یورپی دورے کے دوسرے مرحلے کے طور پر فرانس پہنچے ہیں۔ تاکہ سعودی عرب اور فرانس کے باہمی تعلقات کے ساتھ ساتھ مختلف شعبوں میں تعاون کا فروغ ممکن ہو۔ اس سے پہلے پچھلے سال دسمبر میں فرانسیسی صدر میکرون بھی سعودی عرب کا دورہ کر چکے ہیں۔ تاکہ باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال ہو سکے۔ خیال رہے سعودی عرب اور فرانس کے درمیان مضبوط اقتصادی تعلقات موجود ہیں۔ گذشتہ پانچ برسوں کے دوران دونوں ملکوں کے درمیان دو طرفہ تجارت کا حجم 163 ارب ریال رہا ہے۔ تیل کے علاوہ فرانس کے لیے سعودی برآمدات کا 2021 میں حجم 1،7 ارب ریال رہا۔ یہ 2020 کے مقابلے میں فرانس کے لیے سعودی برآمدات میں 105 فیصد اضافہ تھا۔ (قومی آواز)

عراق میں عوامی احتجاج، پارلیمان پر مظاہرین کا قبضہ، وزیر اعظم کی امن کی اپیل

چند روز قبل سری لنکا میں معاشی بحران سے پیدا ہونے والے سیاسی عدم استحکام کے باعث سڑکوں پر آنے والے لاکھوں مظاہرین کو صدارتی محل میں داخل ہوتے دیکھا گیا۔ کچھ ایسا ہی نظاہرہ عراق کے دارالحکومت بغداد میں نظر آیا، جہاں عوامی احتجاج پھوٹ پڑا اور مظاہرین پارلیمنٹ کی عمارت میں داخل ہو گئے۔ بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق مولوی مقتدیٰ الصدر کے سیکڑوں حامیوں نے وزیر اعظم کے حریف امیدوار کی نامزدگی کے خلاف سخت سیکورٹی والے علاقے کا محاصرہ توڑتے ہوئے پارلیمنٹ کی عمارت پر دھاوا بول دیا۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جب مظاہرین نے پارلیمنٹ ہاؤس پر دھاوا بولا اس وقت پارلیمنٹ میں کوئی موجود نہیں تھا۔ پولیس نے مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے پانی کی بوچھاڑیں کیں اور آنسو گیس کے گولے داغے۔ وہاں موجود ہجوم کو گانا گاتے، رقص کرتے اور میزوں پر لیٹتے ہوئے دیکھا گیا، اس انتہائی محفوظ علاقے میں مختلف ممالک کے سفارتخانوں سمیت کئی اہم عمارتیں ہیں اور اسے گرین زون کہا جاتا ہے۔ دریں اثنا، عراقی وزیر اعظم مصطفیٰ الکاظمی نے مظاہرین سے عمارت خالی کرنے کی اپیل کی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ گزشتہ سال اکتوبر میں ہوئے انتخابات میں الصدر کے سیاسی اتحاد نے سب سے زیادہ نشستیں حاصل کی تھیں لیکن سیاسی تعطل کی وجہ سے وہ اقتدار تک نہیں پہنچ پائے ہیں۔ ایران نواز جماعتوں نے محمد شاع السودانی کو وزیر اعظم نامزد کیا ہے مگر دوسری جماعتوں کے حامیوں نے انھیں مسترد کر دیا اور ان کے خلاف احتجاجی ریلیاں نکالی جا رہی ہیں۔ ملک میں جاری سیاسی تعطل اور ان کی نامزدگی کے خلاف بغداد میں اب تک کا یہ سب سے بڑا احتجاج ہے۔ (قومی آواز)

امریکہ میں بارشوں اور سیلاب میں 8 افراد ہلاک

امریکی ریاست کینٹکی میں مسلسل طوفانی بارشوں کے باعث آنے والے سیلاب میں میں 8 افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے۔ عالمی خبر رساں ادارے کے مطابق امریکی ریاست کینٹکی میں طوفانی ہواؤں کے ساتھ ہونے والی مسلسل بارش کے بعد سیلابی ریلہ رہائشی علاقے میں داخل ہو گیا اور راستے میں آنے والی ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس دوران مختلف واقعات میں 8 افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے جب کہ 3 افراد لاپتہ ہیں۔ متاثرہ علاقوں سے شہریوں کو محفوظ مقام پر منتقل کیا جا رہا ہے۔ عارضی ریلیف کیمپ بھی قائم کیے گئے ہیں۔ (نیوز ایکسپریس)

تعلیم و روزگار

سرکاری محکموں میں خالی عہدوں کی بڑی تعداد کے باوجود نوجوان روزگار سے محروم

ہندوستان میں سرکاری ملازمت پانا لاٹری لگنے سے کم نہیں ہے۔ مستقل آمدنی، کام کی سیکورٹی، وقار اور ریٹائرمنٹ کے بعد کی سہولیات کی وجہ سے سرکاری ملازمت بیشتر لوگوں کی پسند ہوتی ہے۔ ان کے لیے تقریباً 160 امتحانات ہوتے ہیں اور تقریباً 7 کروڑ لوگ سالانہ ان میں شامل ہوتے ہیں لیکن قسمت کا تالا تو بمشکل ایک فیصد لوگوں کا ہی کھلتا ہے۔ ان داخلہ امتحانات میں بے ضابطگیاں بھی طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ کبھی سوالنامہ لیک ہونے، کبھی 'فرضی امیدوار تو کبھی زیادہ پیسے خرچ کرنے والے کی جھولی میں ملازمت آجانے کی خبریں اکثر موضوعِ بحث بنتی ہیں۔ مغربی بنگال کے وزیر پارتھ چٹر جی کی حالیہ گرفتاری اسی سلسلے میں ہے۔ ان پر اساتذہ کی بھرتی میں بے ضابطگی کا الزام ہے۔ آبادی کے لحاظ سے گنتی کے لوگوں کو سرکاری ملازمت مل پاتی ہے لیکن تناسب کے نظریہ سے ان کی تنخواہ، بھتہ اور پنشن پر لوگوں سے وصولے گئے ٹیکس کا کہیں بڑا حصہ خرچ کر دیا جاتا ہے۔ ایک تو سرکاری ملازمتیں بہت کم ہیں، دوسرے گزشتہ 30 سالوں میں ان کی تعداد موٹے طور پر وہی رہی ہے۔ 1984 کے بعد مرکزی ملازمتوں کی تعداد تقریباً یکساں رہی۔ اتنا ہی نہیں، حکومت نے پارلیمنٹ کو جو جانکاری دی ہے اس کے مطابق مارچ 2021 میں ان عہدوں میں تقریباً 30 فیصد خالی تھے۔ لوگوں کو لگتا ہے کہ ان عہدوں کو اس لیے نہیں بھرا جا رہا کیونکہ حکومت کے پاس پیسے نہیں، لیکن ایسا نہیں ہے۔

مرکزی حکومت کا سالانہ بجٹ 15-2014 کے 17 لاکھ کروڑ سے بڑھ کر 22-2021 میں 34 لاکھ کروڑ ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کی وجہ کچھ اور ہوگی۔ اسامیاں ہر جگہ ہیں۔ وزارت تعلیم نے حال ہی میں پارلیمنٹ کو بتایا ہے کہ مرکزی یونیورسٹیوں میں 12 ہزار تو نو ودے اسکولوں میں 3000 سے زیادہ اساتذہ کے عہدے خالی ہیں۔ محکمہ پرسونل نے جو اعداد و شمار دیے ہیں، اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ یو پی ایس سی نے 22-2021 میں مرکزی حکومت کی مختلف ملازمتوں کے لیے 4119 امیدواروں کی سفارش کی جو 10 سالوں میں سب سے کم ہے۔ 15-2014 میں یہ تعداد 8272 تھا۔ کم لوگوں کی بھرتی پر کوئی صفائی نہیں ہو سکتی کیونکہ 'جاب پرائڈ' کے دونوں سروں پر کمی ہے۔ مثال کے لیے ملک میں 1572 آئی اے ایس افسران کی کمی ہے۔ ان کی مجموعی منظور شدہ تعداد 6789 ہے جب کہ موجودہ تعداد 5317 ہے۔ ان میں بھی سیدھی بھرتی سے ملازمت پانے والوں کی تعداد 3862 اور پروموشن سے کیڈر پانے والوں کی 1455 ہے۔ 26 ریاستوں میں آئی اے ایس افسران کی کمی ہے۔ ایسے میں یو پی ایس سی کے ذریعہ کم بھرتی کرنے کا مطلب؟ اس حکومت میں سابق فوجیوں کو تقرر کرنے کا ریکارڈ بھی مایوس کن ہے۔ گروپ ڈی میں 20 فیصد، گروپ سی میں 14.5 فیصد اور گروپ اے اور گروپ بی کے عہدوں میں 10 فیصد کے بعد بھی جون 2021 میں سابق فوجیوں نے گروپ ڈی میں 0.0 فیصد، گروپ سی میں 0.47 فیصد، گروپ بی میں 0.8 فیصد اور گروپ اے میں 2.20 فیصد ملازمتیں پائیں۔ 2015 میں جہاں 10982 سابق فوجیوں کی بھرتی کی گئی، وہیں 2020 میں یہ نمبر 2584 اور 2021 میں 2983 رہا۔ ہر سال ایک کروڑ ملازمت پیدا کرنے کے لیے سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی نے مونٹیک سنگھ اہلو والیہ کی قیادت میں ٹاسک فورس کی تشکیل کی۔ روزگار پیدا ہوئے یا نہیں، یہ تو پتہ نہیں لیکن واجپئی نے 2003 میں اسی کام کے لیے ایک گروپ بنایا۔ تقریباً دس سال بعد نریندر مودی نے سالانہ ایک کروڑ ملازمتیں پیدا کرنے کا وہی پرانا وعدہ دہرایا۔ آج ہم سال 2022 میں ہیں۔ مودی 8 سال سے وزیر اعظم ہیں اور انھوں نے ابھی جون میں اعلان کیا کہ مرکزی حکومت آئندہ ڈیڑھ سالوں میں 10 لاکھ لوگوں کو روزگار دے گی۔ مرکزی یا ریاستی حکومتیں اتنے لوگوں کو روزگار نہیں دے رہی ہیں جتنے کو دینی چاہئی تھیں۔ دراصل مرکزی حکومت میں منظور شدہ عہدہ 1984 جتنے ہی ہیں، یعنی 37.87 لاکھ رہے۔ 2014 میں منظور شدہ عہدوں کی تعداد 38.90 لاکھ تھی۔ ہندوستان کی آبادی 1981 میں 68 کروڑ سے بڑھ کر 2011 میں 121 کروڑ ہو گئی۔ اب تو 140 کروڑ کے آس پاس ہے۔ لیکن اثر دار طریقے سے مرکزی حکومت کی ملازمتیں کم ہو گئی ہیں۔

مرکزی حکومت میں ملازمتوں کی شکل بھی بدل گئی ہے۔ 1957 میں ریلوے 57 فیصد ملازمتیں دیتا تھا، 2014 میں اس کا حصہ گھٹ کر 40 فیصد رہ گیا۔ ساتھ ہی مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں وزارت داخلہ کی شراکت داری حقیقت میں 1957 میں 2.8 فیصد سے بڑھ کر 2014 میں 15 فیصد ہو گئی۔ چونکہ صحت، تعلیم، بنیادی ڈھانچہ اور نظامِ قانون ریاستوں کے سبجیکٹ ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ ریاستی حکومت کی ملازمتیں کہیں زیادہ ہوں گی۔ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ 1984 کے بعد سے ان کی تعداد میں کوئی بڑی تبدیلی آئی۔ ریاستوں میں اساتذہ، ڈاکٹرس، ججوں اور پولیس اہلکاروں کی واضح طور سے کمی ہے لیکن وہ انھیں بڑی تعداد میں تقرر کرنے میں ناکام ہیں۔ ریاستی حکومتیں ان سبھی شعبوں سے پیچھے ہٹ رہی ہیں، یہاں تک کہ سیکورٹی بھی اب نجی سیکٹر کو آؤٹ سورس کر دی گئی ہے۔ پرائیویٹ اسکول اور پرائیویٹ اسپتال غالباً ریاستی حکومت کے مقابلے میں کہیں زیادہ لوگوں کو روزگار دیتے ہیں۔ حالات اتنے خراب ہیں کہ مرکزی وزارت برائے صحت و خاندانی فلاح بھی یہ بات مانتا ہے کہ سال 2021 میں دیہی شعبوں میں 21.8 فیصد صحت مراکز بغیر کسی ڈاکٹر، 27.2 فیصد بغیر نرس اور دائی کے اور 68 فیصد بغیر کسی ماہر ڈاکٹر کے تھے۔ حال یہ ہے کہ چاہے مرکزی حکومت ہو یا ریاستی حکومت، دونوں ہی سہولت کے حساب سے تقرریوں کو بھر کر مطمئن ہو جاتی ہیں، لیکن انھوں نے نئی ملازمتیں پیدا کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ پانی، کھانا، صحت اور تعلیم کے ساتھ ساتھ عوامی ٹرانسپورٹ؛ کسی جگہ ضرورت پوری نہیں ہو پا رہی ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ جو بھی وسائل دستیاب ہیں، ان کے لیے زیادہ پیسے خرچ کرنے پڑ رہے ہیں۔ دیہی علاقوں میں ریڈنگ روم، کمپیوٹر سنٹر، اوپن ایئر تھیٹر، لائبریری، صحت مراکز، کھیل سہولیات وغیرہ قائم کر کے لاکھوں روزگار پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرح کی سہولیات پرائیویٹ سیکٹر نہیں بنائے گا کیونکہ ان کی دیکھ ریکھ پر اچھا خاصہ خرچ ہوگا اور اگر انھوں نے اس طرح کا کچھ بنا بھی دیا تو اس کے عوض میں موٹی رقم وصولیں گے۔ لیکن ہم یا تو مورتیوں اور مندروں کی تعمیر کو ہی سب سے ضروری مان بیٹھے ہیں، یا پھر چھ لین والی سڑک، بہترین ہوائی اڈے، میٹرو ریل، اسکلیٹر جیسی چمک دمک والی سہولیات بنانے میں لگے ہیں جن کا فائدہ خوشحال لوگوں کو ہی ملتا ہے اور بڑی آبادی کے لیے ان سب کا کوئی خاص مطلب نہیں۔ مجموعی آبادی میں خواتین کی شراکت داری تقریباً نصف ہے لیکن ملازمت و مزدوری میں ان کی شراکت داری بے حد کم ہے۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین گریجویٹس کی تعداد زیادہ ہے لیکن خواتین کو کام چھوڑ دینا پڑتا ہے کیونکہ حفاظتی انتظامات کی کمی ہے اور اس کے ساتھ سستی، محفوظ اور آرام دہ عوامی ٹرانسپورٹیشن کی بھی سہولت نہیں ہے۔ **(اے جے پربل کے ہندی مضمون کا ترجمہ بحوالہ قومی آواز)**

جامع مسجد بارہ پتھر ڈیہری اون سون ضلع روہتاس کے تحت اردو لائبریری کا افتتاح

مولانا محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت امارت شرعیہ کی صدارت میں اجلاس کا انعقاد، علماء امارت شرعیہ کے موقر وفد کی شرکت

کتب بنی انسانوں کے اخلاق اور طبائع پر گہرے نقوش چھوڑتی ہے، اس کے ذریعہ افکار و نظریات میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔اسی لیے ہر دور میں کتب خانوں اور لائبریریوں کی بڑی اہمیت رہی ہے، علم و معرفت اور تہذیب و ثقافت کی ترقی کی تمام راہیں کتب خانوں سے ہی گذرتی ہیں، دنیا میں جن لوگوں نے علمی و ثقافتی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دی ہیں، وہ سبھی کتابوں سے عشق و محبت رکھتے تھے، اس میدان میں مسلمانوں کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ انہوں نے مطالعہ کتب کے شوق و ذوق کو بڑھایا، جس کے نتیجے میں عہد بہ عہد کتب خانے قائم ہونے لگے۔آج پوری دنیا میں مسلمانوں کے ذریعہ قائم کردہ کتب خانے موجود ہیں۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں نے سیکڑوں تاریخی اور مثالی کتب خانے اور لائبریریاں قائم کیں، خدا بخش لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رام پور، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری، دارالعلوم دیوبند کی لائبریری، ندوۃ العلماء کی شبلی لائبریری اور اس جیسی درجنوں لائبریریاں ملک کے طول و عرض میں مسلمانوں کے علم اور کتابوں سے لگاؤ کی گواہ ہیں۔امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر میں بھی ایک وسیع لائبریری موجود ہے۔ہمیں بہت خوشی ہے کہ آج جامع مسجد کمیٹی کے ذمہ داروں نے یہاں لائبریری قائم کر کے اپنی علم دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ہمیں امید ہے کہ تشنگان علوم کی علمی سیرابی کا سامان فراہم کرے گی اور اصحاب ذوق اس سے بھر پور استفادہ کریں گے۔ یہ باتیں مولانا مفتی محمد انظار عالم قاسمی قاضی شریعت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ پھلواری شریف، پٹنہ نے مورخہ 29 جولائی 2022 روز جمعہ کو جامع مسجد بارہ پتھر ڈیہری اون سون ضلع روہتاس میں جامع مسجد کمیٹی کی جانب سے قائم کردہ اردو لائبریری کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہیں۔ انہوں نے موجودہ حالات میں تعلیم کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے امارت شرعیہ کی تعلیمی تحریک کا تعارف کرایا اور کہا کہ امارت شرعیہ کے موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی صاحبم دامت برکاتہم کی نگرانی میں امارت شرعیہ نے دینی ماحول میں معیاری عصری تعلیم کی فراہمی کے لیے امارت پبلک اسکول کی جو تحریک شروع کی ہے، اس کا مقصد ایک ایسی نسل کو تیار کرنا ہے، جو علم و ہنر کے میدان میں بھی سربلند ہو اور ساتھ ہی اسلامی تہذیب و شناخت کا بھی نمونہ ہو۔آپ نے ملت کے اصحاب ثروت افراد سے اپیل کی کہ وہ امارت شرعیہ کی اس تعلیمی تحریک کے ساتھ جڑیں اور اپنے اپنے علاقوں میں امارت پبلک اسکول کے طرز کے ادارے قائم کریں۔

واضح ہو کہ اس اجلاس میں قاضی صاحب کے علاوہ مولانا مفتی سعید الرحمٰن قاسمی مفتی امارت شرعیہ، مولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم امارت شرعیہ، مولانا احسان الحق قاسمی قاضی شریعت دارالقضاء امارت شرعیہ ڈیہری اون سون ضلع روہتاس نے بھی شرکت کی۔اور لائبریری کی افادیت نیز تعلیم کی اہمیت و ضرورت پر خطاب کیا۔نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب کو بھی اس اجلاس میں شرکت کرنی تھی، لیکن کسی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے وہ شریک نہ ہو سکے۔ اجلاس کی نظامت مولانا احسان الحق قاسمی نے کی۔

مولانا مفتی سعید الرحمٰن قاسمی صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ قوموں اور ملتوں کے علمی و تہذیبی اور تمدنی ورثوں کی حفاظت میں کتب خانوں کا بنیادی رول ہوا کرتا ہے، کیوں کہ یہ کتب خانے علم و حکمت کے ایسے چشمے ہوا کرتے ہیں، جہاں انسانی مطالعہ کے ذریعہ اپنے ذہن و دماغ میں شعوری وسعت و بلندی اور فکر و نظر میں تنوع پیدا کر سکتا ہے، اس لیے تاریخ کے ہر دور میں ارباب فضل و کمال نے انفرادی و اجتماعی طریقے سے اس کے قیام پر خصوصی توجہ مرکوز کی، جن سے استفادہ کے دروازے علماء و محققین کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ برصغیر ہند و پاک میں بھی عہد اسلامی کے اوائل میں ہی کتابوں کے جمع کرنے اور کتب خانوں کو قائم کرنے کا رجحان پیدا ہوا، جو اس وقت بھی ملک کے طول و عرض میں ارتقاء کے منازل طے کر رہے ہیں۔انہوں نے دینی و عصری تعلیم کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ایمان کی حفاظت کے بعد سب سے مضبوط فریضہ تعلیم کا فروغ ہے، اس لئے کہ تعلیم ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعہ کوئی قوم ترقی کے معراج پر پہونچتی ہے، ہمارے نبی کی بنیادی حیثیت معلم کی ہے، اس لئے تعلیم کو عام کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ علم نافع کے حصول کی دعا کی ہے، جس میں دینی علوم کے ساتھ وہ تمام علوم آتے ہیں جس سے سماج کا فائدہ ہوتا ہے۔اس لیے ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو اعلیٰ عصری تعلیم سے بھی آراستہ کریں۔

مولانا سہیل احمد ندوی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ نے کہا کہ اسلام میں تعلیم کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے پر سب سے پہلی وحی کے نزول کا جو سلسلہ شروع کیا اس کا تعلق علم سے ہے۔ان قرآنی الفاظ کو پڑھتے جایئے اور علم کے پھیلاؤ کا سلسلہ معلوم کرتے جایئے جس سے پتہ چلے گا کہ اسلام میں تعلیم کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔معلوم یہ ہوا کہ ہر اس علم کو اللہ پسند کرتا ہے جس کا تعلق معبود برحق کی رضامندی سے ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ تعلیم کسی بھی قوم کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے۔انہیں اصولوں کو سامنے رکھ کر امارت شرعیہ اور اس کے اکابرین نے جہاں شرعی و ملی مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کی اور ایک امت ایک جماعت بن کر زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے، وہیں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کے میدان میں بھی خاص توجہ دی ہے۔انہوں نے لوگوں کو پیغام دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ایمان و عقیدہ کی سلامتی کے ساتھ ہماری آنے والی نسل معیاری تعلیم حاصل کر کے تعلیم کے میدان میں ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بشانہ کھڑی رہے تو ہمیں اپنے بچوں کو معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات اور اخلاقی تربیت سے بھی آراستہ کرنا ہوگا۔ااسی طرح ہماری تہذیب کی سلامتی اور ملی شناخت کو باقی رکھنے کے لیے اردو زبانی کی بقاء اور ترقی بھی ضروری ہے۔ہمیں اپنے گھروں میں بھی اردو کو رواج دینے کی ضرورت ہے، آج حالت یہ ہے کہ ہم نے اپنے گھروں سے اردو کو نکال دیا ہے۔اگر ہم اپنی تہذیب کی حفاظت چاہتے ہیں تو اردو کو رواج دینا ہوگا۔آپ نے اردو لائبریری کے قیام پر جامع مسجد کمیٹی کے ذمہ داروں اور علاقہ کے لوگوں کو مبارک باد دی کہ انہوں نے اردو کی ترویج و اشاعت اور اس کی ترغیب کے لیے اردو لائبریری قائم کر کے بہت ہی مستحسن قدم اٹھایا ہے۔آپ نے لوگوں سے اپیل کی کہ اس لائبریری سے خوب استفادہ کریں اور اس کی ترقی میں ہر طرح کا تعاون پیش کریں۔

مولانا احسان الحق قاسمی صاحب نے اپنی ابتدائی گفتگو میں تعلیم کی اہمیت و ضرورت کے ساتھ ساتھ مطالعہ کی افادیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور مطالعہ کا مزاج بنانے کی ترغیب دلائی۔

اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں جامع مسجد بارہ پتھر کے صدر محمد کلیم خان صاحب، سکریٹری جناب نسیم صاحب، ڈاکٹر حسنین صاحب، محمد ریاض الدین صاحب، محمد ساجن صاحب، عرفان قریشی صاحب، جامع مسجد کے امام مولانا سہراب صاحب، شرافت علی صاحب، محمد نبیل صاحب، اقبال صاحب، ماسٹر مشتاق الرشید صاحب، فاروق صاحب، عدنان صاحب، حاجی اکرم صاحب وغیرہ نے اہم کردار ادا کیا۔اس سے قبل امارت شرعیہ کے علماء کرام کے اس وفد نے جمعہ سے قبل مختلف مساجد میں خطاب کیا۔مولانا محمد انظار عالم قاسمی صاحب نے جامع مسجد بارہ پتھر میں، مولانا مفتی سعید الرحمٰن قاسمی صاحب نے ترپال کمپنی کی مسجد میں جبکہ مولانا سہیل احمد ندوی صاحب نے عیدگاہ مسجد میں خطاب کیا، سبھی حضرات نے بنیادی دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کی اہمیت و ضرورت کے ساتھ اصلاح معاشرہ کے دیگر پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی۔

کیا جمہوریت صرف انتخابات منعقد کروانے کا نام ہے؟

بھارتی پارلیمانی کارروائی کو کور کرتے ہوئے مجھے احساس ہوا ہے کہ دونوں ایوانوں؛ لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں کسی بھی موضوع پر ہونے والی بحث سے اس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، جو شاید سو کتابیں پڑھ کر بھی نہیں ملتی ہیں۔ میں نے اٹل بہاری واجپائی، ایچ ایل بہوگنا جیسے جید اراکان پارلیمان کو بحث کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا ہے مگر ششی تھرور، ارون جیٹلی، کپل سبل، اسدالدین اویسی، جے پال ریڈی، سیتارام یچوری جیسے ارکان پارلیمان کی پرمغز تقریروں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ پارلیمنٹ کی کارروائی کے دوران نہ صرف بھارت کے رنگا رنگ تنوع اور مختلف علاقوں کے ایشوز کو جاننے کا موقع ملتا ہے بلکہ بحث کے دوران عقل و دانش، سنجیدہ اور بسا اوقات مزاحیہ نوک جھونک اور شعر و شاعری سے بھرپور جملوں کے تبادلوں سے ایک سماں سا بندھ جاتا ہے۔ مگر اب ایسے بحث و مباحثے قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ لگتا ہے کہ پارلیمان کا موجودہ مان سون سیشن بھی ہنگامہ آرائی کی نذر ہو جائے گا، جس طرح پچھلے کئی برسوں سے متواتر ہوتا آرہا ہے۔حکومت بغیر کسی بحث کے اور ہنگامہ آرائی کے درمیان ہی اہم قوانین کو پاس کرواتی ہے۔یعنی یہ ہنگامہ آرائی اس کو احتساب اور سوالات سے بچنے کے لیے ایک تپلی گلی فراہم کرتی ہے۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ہم نے بس انتخابات کے بروقت انعقاد کو ہی ایک کامیاب جمہوریت کا معیار بنایا ہوا ہے۔ اس الیکشن کے بعد حکومت کا احتساب کرنا اب تو ''جرم'' مانا جاتا ہے۔ بھارتی جمہوریت کی بنیاد ہی تعمیری تنقید، حکومتی پالیسیوں کی مخالفت، پرامن احتجاج اور سول سوسائٹی کی مشاورت میں مضمر تھی لیکن پچھلے آٹھ برسوں سے جمہوریت کے اس رخ کا بے دردی کے ساتھ قتل کیا جا رہا ہے۔جمہوریت کی اس معیار کو دیکھ کر اس بات پر حیرت نہیں ہوتی ہے کہ جمہوری ممالک کی فہرست میں بھارت کے درجے میں ہر سال مسلسل گراوٹ آرہی ہے۔ملک کی موجودہ سیاسی صورتحال میں حکومت کے خلاف تنقید کو بغاوت اور ملک دشمنی سمجھا جاتا ہے۔سول سوسائٹی، جو چیک اینڈ بیلنس کا کام کرتی تھی، کو حکومت کی طرف سے مذاق کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔حال ہی میں، جس طرح ایمنسٹی انٹرنیشنل جیسی تنظیم کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیگر تنظیموں کی کیا حالت ہوگی؟ انسانی حقوق کی کارکن تیستا سیتلواڑ سے لے کر فیکٹ چیکر محمد زبیر اور کارکن عمر خالد تک سبھی اس ملک میں رائج موجودہ سیاسی نظام کا شکار ہو چکے ہیں۔اپوزیشن جماعتوں کو اس قدر بے دست و پا کر کے رکھ دیا گیا ہے کہ ان کے ایکٹیو اراکین کو تحقیقاتی ایجنسیوں کے نشانہ پر رکھا گیا ہے۔کانگریس صدر سونیا گاندھی، ان کے صاحبزادے راہل گاندھی، مہاراشٹرا کے اسمبلی ممبر نواب ملک، انیل دیش مکھ، مغربی بنگال کی ترنمول کانگریس اور دہلی کی عام آدمی پارٹی کے اراکین و وزیر مرکزی تفتیشی ایجنسیوں کے نشانے پر ہیں۔ چند برس قبل تو دہلی کے وزیر اعلیٰ کے دفتر پر بھی سینٹرل بیورو آف انوسٹی گیشن نے ریڈ کی تھی۔مگر وجہ اور پھر اس کا نتیجہ کیا رہا؟ ابھی تک پردہ راز میں ہے۔بس اتنا معلوم ہے کہ اس کے بعد عام آدمی پارٹی نے مرکزی حکومت کے ساتھ کچھ صلح صفائی کی اور کانگریس کے زیر قیادت اپوزیشن اتحاد کا حصہ بننے سے انکار کر دیا تھا۔

یوں تو مودی کو ملک کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو سے سخت چڑ ہے اور ان کو ملک کی تمام برائیوں کی جڑ قرار دیتے ہیں لیکن یہ وہی نہرو تھے، جنہوں نے ہندو قوم پرستی کے سرخیل اور مودی کے گورو شیاما پرساد مکرجی کو کابینہ میں جگہ دی تھی۔ کیوں کہ ان کا ماننا تھا کہ بھارتی جمہوریت کی روح کو زندہ اور برقرار رکھنے کے لیے مخالفین کو برداشت کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔ بی جے پی کے گزشتہ آٹھ سالہ دور حکومت میں ایک بات واضح ہوگئی ہے کہ یہ پارٹی کوئی تنقید برداشت نہیں کرتی ہے۔ جیلوں میں بند سول سوسائٹی کے ارکان کی فہرست دن بدن طویل ہوتی جا رہی ہے۔ جہاں عمر خالد ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصے سے ضمانت کا انتظار کر رہے ہیں، انسانی حقوق کے کارکن اسٹین سوامی، جو قبائلیوں کے حقوق کے لیے لڑ رہے تھے، خراب صحت کی وجہ سے ضمانت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جیل کے اندر ہی دم توڑ گئے۔ حکومت پر تنقید کرنا، جو ایک صحت مند جمہوریت کی پہچان ہوا کرتی تھی، آج سب سے بڑا جرم بن گیا ہے۔حالیہ رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک تجربہ کار صحافی ساتھی، جنہوں نے کئی حکومتوں کو آتے اور جاتے دیکھا ہے، نے کہا کہ وہ حیران ہیں کہ مودی جیسا اس قدر طاقتور وزیر اعظم آخر تنقید اور اختلاف رائے سے کیوں گھبراتا ہے اور عالمی سطح پر بھارتی جمہوریت کو کیوں کٹہرے میں لا کر کھڑا کرنا چاہتا ہے؟ اس کا جواب کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ بس ہم جیسے سول سوسائٹی کے اراکین، جن میں تھوڑی بہت جمہوری روایات کو برقرار رکھنے کی آرزو ہے، اپنی اس ''مجرمانہ خواہش'' کے لیے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔ **(روھنی سنگھ بحوالہ ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)**

مشرق وسطیٰ موسمیاتی تبدیلیوں کی زد میں

موسمیات کے ماہرین نے بتایا ہے کہ پچھلے تین عشروں میں مشرق وسطیٰ کے ملکوں کا درجہ حرارت پوری دنیا کے اوسطً درجہ حرارت کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑھا ہے۔ ماہرین پیش گوئی کر رہے ہیں کہ دنیا کا یہ حصہ اور بھی گرم ہوتا جائے گا۔ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک موسمیاتی تبدیلی کی لپیٹ میں اور زیادہ آئیں گے، جس کے آثار ابھی سے نظر آ رہے ہیں۔

گزشتہ تین چار ہفتوں سے پاکستان میں مان سون بارشیں معمول سے کہیں زیادہ ہو رہی ہیں۔ سندھ اور بلوچستان خاص طور پر ان کی زد میں ہیں۔ کراچی جیسا شہر بارش کے پانیوں میں کئی بار ڈوبا، بلوچستان کے برستانی نالوں کی طغیانی نے کئی انسانی جانوں کو نگل لیا۔ موسم کی تباہ کاریاں، دراصل صرف پاکستان یا بھارت تک محدود نہیں بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہے۔ کہیں خشک سالی کہیں طغیانی اور کہیں شدید گرمی کی لہر۔ یورپ میں گرمی کی شدت کی خبریں تو آپ نے سن ہی لی ہوں گی۔

اب عراق کو لے لیجیے وہاں ریت کے تیز طوفانوں نے اس سال متعدد بار شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، جس سے کاروبار بند ہو گیا اور ہزاروں افراد گرمی کی تاب نہ لا کر ہسپتال پہنچ گئے۔ مصر کے نیل ڈیلٹا میں بڑھتا ہوا سیم وتھور کھیتوں کو بنجر کر رہا ہے۔ افغانستان میں خشک سالی کی وجہ سے دیہی نوجوان روزگار کی تلاش میں شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔ حالیہ ہفتوں میں، خطے کے کچھ حصوں میں درجہ حرارت 50 ڈگری سینٹی گریڈ (122 فارن ہائیٹ) تک پہنچ گیا ہے۔

اس سال اقوام متحدہ کی سالانہ ماحولیاتی تبدیلی کانفرنس، جسے COP27 کے نام سے جانا جاتا ہے، نومبر میں مصر میں منعقد ہو رہی ہے، جس سے خطے کے موسمی حالات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ پورے مشرق وسطیٰ کی حکومتیں موسمیاتی تبدیلی کے خطرات کے بارے میں بیدار ہو چکی ہیں، خاص طور پر اس سے ان کی معیشتوں کو پہنچنے والے نقصان کے بارے میں وہ خاصے فکرمند ہیں۔

لاما ایل ہاتو ماحولیاتی تبدیلی کے ایک ماہر ہیں جو عالمی بینک کے ساتھ کام کر چکی ہیں اور مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے موسمی حالات سے باخبر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "ہم لفظی طور پر نہیں بلکہ اپنے سامنے یہ اثرات دیکھ رہے ہیں۔ یہ اثرات کوئی ایسی چیز نہیں ہیں جو ہمیں نو یا 10 سال پیچھے لے جائیں گے۔" زیادہ سے زیادہ ممالک اس کی ضرورت اور اس کا مداوا کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ مصر، مراکش اور خطے کے دیگر ممالک صاف توانائی کے لیے اقدامات کو تیز کر رہے ہیں۔ لیکن COP-27 کی اولین ترجیح یہ ہے کہ وہ ان خطرات سے نمٹنے میں مدد کے لیے ان ممالک کو زیادہ بین الاقوامی فنڈز فراہم کریں جن کا وہ پہلے ہی موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے سامنا کر رہے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں خطرے کی ایک وجہ یہ ہے کہ کروڑوں افراد یک دم متاثر ہوتے ہیں کیونکہ درجہ حرارت میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے: اس خطے میں پہلے سے ہی زیادہ درجہ حرارت ہے اور عام حالات میں بھی پانی کے وسائل محدود ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ نے اس سال کے شروع میں ایک رپورٹ میں بتایا کہ مشرق وسطیٰ کی حکومتوں کے پاس بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کی محدود صلاحیت ہے۔ معیشتیں اور بنیادی ڈھانچے کمزور ہیں، اور ضابطوں پر اکثر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ غربت بڑے پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے روزگار کو آب وہوا کے تحفظ کے مقابلے میں ترجیح دی جاتی ہے۔ مصر کی مطلق العنان حکومتیں سول سوسائٹی پر سخت پابندیاں لگاتی ہیں، جو ماحولیاتی اور آب وہوا کے مسائل پر عوام کو شامل کرنے میں ایک اہم ذریعہ کو روکتی ہیں۔ اس کے ساتھ ترقی یافتہ ممالک مشرق وسطیٰ سمیت غریب ملکوں پر دباؤ بڑھا رہے ہیں کہ وہ گیسوں کے اخراج کو کم کریں، ہر چند کہ وہ خود اپنے وعدوں سے منحرف ہو چکے ہیں۔

خطرات سنگین ہیں: جیسے جیسے خطہ گرم اور خشک ہوتا جا رہا ہے، اقوام متحدہ نے خبردار کیا ہے کہ 2025 تک مشرق وسطیٰ کی فصلوں کی پیداوار میں 30 فیصد کمی ہو سکتی ہے۔ عالمی بینک کے مطابق، پانی کی کمی کی وجہ سے 2050 تک خطے کی جی ڈی پی میں چھ سے چودہ فی صد تک کمی متوقع ہے۔ عالمی بینک کے مطابق، مصر میں گزشتہ 30 سالوں میں بارش میں 22 فیصد کمی آئی ہے۔ خشک سالی کے مزید بار بار اور شدید ہونے کی توقع ہے۔ مشرقی بحیرہ روم نے حال ہی میں 900 سالوں میں اپنی بدترین خشک سالی دیکھی، ناسا کے مطابق، شام اور لبنان جیسے ممالک کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا ہے جہاں زراعت کا انحصار بارش پر ہوتا ہے۔ اردن اور خلیج فارس کے ممالک میں پانی کی مانگ زیر زمین پانی کے ذخائر پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ عراق میں خشکی میں اضافے کی وجہ سے ریت کے طوفان میں اضافہ ہوا ہے۔

ایک ہی وقت میں، گرم پانی اور ہوا انتہائی اور اکثر تباہ کن موسمی واقعات کو زیادہ کثرت سے جنم دیتے ہیں، جیسے سیلابی ریلے جو بار بار سوڈان اور افغانستان کو متاثر کرتے ہیں۔ آب وہوا کے نقصان کے ممکنہ طور پر خطرناک سماجی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ چیتھم ہاؤس کے ایک ایسوسی ایٹ فیلو کریم ایلگینڈی نے کہا کہ بہت سے لوگ جو زراعت یا سیاحت میں اپنی روزی روٹی کما نہیں پاتے وہ نوکریوں کی تلاش میں شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ اس سے ممکنہ طور پر بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے، سماجی خدمات ناپید ہو رہی ہیں اور سماجی تناؤ بڑھ رہا ہے جن سے ملکی اور علاقائی سلامتی پر اثر پڑ سکتا ہے۔ انفرا اسٹرکچر اور معیشتوں کو نقصان سے بچانے کے لیے سماجی ڈھانچے کو بدلنا بہت مہنگا پڑے گا۔ عالمی مالیاتی بینک کا تخمینہ ہے کہ تھوڑی بہت تبدیلی بھی اگلے 10 سالوں کے لیے ہر سال خطے کی جی ڈی پی کے 3.3 فی صد کے برابر ہو گی۔ اخراجات کو پانی کے استعمال کے زیادہ موثر نظام اور نئے زرعی طریقوں سے لے کر ساحلی تحفظات کی تعمیر، سماجی تحفظ کے جال کو بہتر بنانے اور آگاہی مہم کو بہتر بنانے تک ہر پہلو کی طرف جانے کی ضرورت ہے۔

لہٰذا اس سال کے COP میں مشرق وسطیٰ اور دیگر ترقی پذیر اقوام کے لیے اولین ترجیحات میں سے ایک یہ ہے کہ امریکہ، یورپ اور دیگر دولت مند ممالک پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ انہیں آب وہوا کی مد میں اربوں ڈالر کی مالی امداد فراہم کرنے کے طویل عرصے کے وعدوں پر عمل کریں۔ اب تک، ترقی یافتہ قومیں ان وعدوں میں ناکام رہی ہیں۔ نیز، ان کی فراہم کردہ زیادہ تر رقم غریب ممالک کو گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج کو کم کرنے کے لیے ادا کرنے میں مدد کرنے کے لیے دی گئی ہے- اس سال کے COP کے لیے، اقوام متحدہ کے حکام، مصری میزبانوں اور موسمیاتی کارکنوں کی طرف سے دوہرائی جانے والی سرفہرست تھیم وعدوں پر عمل ہے۔ اس اجتماع کا مقصد ممالک کو یہ بتانا ہے کہ وہ کس طرح اخراج میں کمی کے وعدے کے اہداف تک پہنچیں گے- اور انہیں پہلے سے بھی زیادہ کمی لانا ہوگی۔ کیونکہ ماہرین کا کہنا ہے کہ اہداف اب بھی گرمی کی تباہ کن سطح کی طرف لے جائیں گے۔ مسلسل افراط زر اور کساد بازاری کا امکان ترقی یافتہ ممالک کو موسمیاتی مالی امداد کے وعدے کرنے سے باز رکھ سکتا ہے۔ ایل ہاتو نے کہا کہ بین الاقوامی حکام اکثر اخراج میں کمی پر زور دیتے ہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ افریقہ، مشرق وسطیٰ اور ترقی پذیر دنیا کے دیگر ممالک نے موسمیاتی تبدیلی کے سلسلے میں خاطر خواہ تعاون نہیں کیا ہے، جبکہ وہ اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ہمیں حالات کے مطابق ڈھالنے کے لیے سرمایہ کاری کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت ہے۔ تاہم عالمی واقعات COP26 کی پیش رفت کو متاثر کر رہے ہیں۔ اخراج میں کمی، عالمی توانائی کی قیمتوں میں اضافے اور یوکرین میں جنگ نے کچھ یورپی ممالک کو بجلی پیدا کرنے کے لیے کوئلے کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کیا ہے- حالانکہ وہ اصرار کرتے ہیں کہ یہ صرف عارضی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں کئی ایسے ممالک بھی ہیں جن کی معیشتیں اپنے معدنی ایندھن کے وسائل پر انحصار کرتی ہیں۔ ان میں سعودی عرب اور خلیج فارس کے ممالک بلکہ مصر بھی واضح طور پر شامل ہے۔ **(بحوالہ وائس آف امریکہ)**

غلافِ کعبہ کی تبدیلی کی تیاری مکمل

سعودی حکام نے کہا ہے مکہ میں مسجد الحرام میں خانہ کعبہ کا غلاف آئندہ ہفتے کو تبدیل کیا جائے گا۔ سعودی عرب کے سرکاری خبر رساں ادارے 'ایس پی اے' کی رپورٹ کے مطابق مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے امور دیکھنے والی جنرل پریزیڈنسی نے پیر کو کہا ہے کہ ہفتے کو 'کسوۃ الکعبہ' یعنی غلافِ کعبہ کی تبدیلی کے عمل میں 166 تکنیکی ماہرین اور کاریگروں کی ٹیم حصہ لے گی۔

سعودی میڈیا کے مطابق محکمہ حج اور عمرہ نے اسلامی سال کے آغاز کے موقع پر غلاف کعبہ کی تبدیلی کی ساری تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ اس سے پہلے ہر سال تقریب تبدیلئ غلاف کعبہ 9 ذی الحج کو منعقد کی جاتی تھی۔ اس روح پرور تقریب میں 200 سے زائد ماہرین اور تربیت یافتہ کارکنان حصہ لیں گے جن میں کلید بردار کعبہ، منتظمین، سعودی حکام اور غلاف ساز کسوہ فیکٹری کے ذمہ دار بھی شامل ہیں۔

پرانے غلافِ کعبہ کی نئے غلاف سے تبدیلی مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے امور کے صدر جنرل شیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز آلِ سعود کی نگرانی میں عمل میں لائی جائے گی۔ خیال رہے کہ سیاہ رنگ کے اس غلافِ کعبہ پر قرآنی آیات تحریر ہوتی ہیں جسے ہر سال اسلامی سال کے مہینے ذی الحج کی نو تاریخ کو تبدیل کیا جاتا ہے البتہ رواں سال سعودی حکام نے اس کی تبدیلی یکم محرم الحرام یعنی نئے اسلامی سال کے آغاز پر کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس سلسلے میں نیا غلافِ کعبہ عید الاضحیٰ کے روز کعبے کے اعلیٰ محافظ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

مسجد الحرام کے امور پر مامور انڈر سیکریٹری جنرل ڈاکٹر سعد بن محمد آل محمد کا کہنا تھا کہ غلافِ کعبہ کے لیے شاہ عبدالعزیز کمپلیکس میں لگ بھگ 200 کاریگر اور منتظم کام کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کمپلیکس میں لانڈری اور آٹومیٹک ویونگ ڈپارٹمنٹ، مینوئل ویونگ ڈپارٹمنٹ، پرنٹنگ ڈپارٹمنٹ، بیلٹ ڈپارٹمنٹ اور گولڈ تھریڈ ڈپارٹمنٹ، کسوہ سوئنگ اینڈ اسمبلنگ سیکشن شامل ہیں جس میں لمبائی کے حساب سے دنیا کی سب سے بڑی کمپیوٹرائزڈ سلائی مشین بھی شامل ہے اور اس کی لمبائی 16 میٹر ہے۔ ان کے بقول غلافِ کعبہ کی تیاری میں 670 کلوگرام خالص ریشم کا استعمال کیا جاتا ہے جسے کمپلیکس کے اندر سیاہ رنگ سے رنگا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ 120 کلوگرام سونے اور 100 کلوگرام چاندی کے دھاگے بھی غلافِ کعبہ کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں۔

غلاف کعبہ کا رواج کب ہوا؟

تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ قبل از اسلام دور میں یمن کے بادشاہ طوبیٰ الحمیری نے کعبے کو پہلی بار غلاف سے ڈھکا۔ اس نے اس مقصد سے یمن کا بہترین کپڑا استعمال کیا۔ اس کے بعد آنے والوں نے کبھی چمڑے کا غلاف بنوایا اور کبھی مصر کا قبطی کپڑا منگوایا۔ اس زمانے میں کسوہ کی ایک سے زیادہ تہیں ہوتی تھیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نو ہجری میں فتح مکہ کے بعد حج کے موقع پر کعبے کو سرخ اور سفید یمنی کپڑے سے ڈھک دیا تھا۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں اس پر سفید غلاف ڈالا جاتا رہا۔ عبداللہ ابن زبیر نے اس کے لیے سرخ غلاف کا انتظام کیا۔ عباسی عہد میں ایک سال سفید اور ایک سال سرخ غلاف بنایا جاتا تھا۔ سلجوق سلاطین نے اسے زرد غلاف دیا۔ عباسی حکمران الناصر نے پہلے سبز اور بعد میں سیاہ غلاف بنوایا اور اس کے بعد سے سیاہ غلاف کی روایت برقرار ہے۔

آج کل کسوہ کیسے تیار کیا جاتا ہے ؟

غلاف کعبہ کو کسوہ کہتے ہیں جس کی تبدیلی کا عمل ہر سال حج کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ یہ مجموعی طور پر 16 ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس کی لمبائی 50 فٹ اور چوڑائی 35 سے 40 فٹ ہے۔

سعودی دور سے پہلے صدیوں تک کسوہ کے لیے کپڑا مصر سے آتا رہا۔ شاہ عبدالعزیز کے دور میں کسوہ کے لیے الگ محکمہ قائم کیا اور پہلی بار اس کے لیے کپڑا مکہ میں بننا شروع ہوا۔ بعد میں اس کا کارخانہ ام الجود منتقل کر دیا گیا۔ اس کارخانے میں پانی کو پاک کیا جاتا ہے جس سے کسوہ میں استعمال کیے جانے والے ریشم کو دھویا جاتا ہے۔ ریشم کو بعد میں سیاہ اور سبز رنگوں میں رنگا جاتا ہے اور خصوصی کیمیکلز استعمال کیے جاتے ہیں۔ سوتی کپڑے کو بھی اسی طرح دھویا اور رنگا جاتا ہے۔

کسوہ پر مشینوں کے ذریعے قرآنی آیات اور دعائیں کاڑھی جاتی ہیں۔ اس غرض سے ریشم کے علاوہ سونے کے تار استعمال کیے جاتے ہیں۔

مزاج کا حقیقی مفہوم اور طبی اہمیت

ڈاکٹر محمد یاسر علی گڑھ

مزاج کیسا ہے؟ یہ جملہ ہم لوگوں نے بارہا کہا اور سنا ہے۔ سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ اس جملہ میں کیسی اپنائیت اور کتنی وسعت ہے۔ کسی دوست سے ملاقات ہو تو بے تکلف زبان سے یہ الفاظ ادا ہو جاتے ہیں۔ کوئی عزیز بیمار ہو جائے تو ان کی عیادت (مزاج پرسی) کے لیے یہ جملہ کام آجاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ کسی شخص کے اخلاق وکردار، عادات واطوار معلوم کرنے کے لیے بھی جامع اور موزوں ہے۔ رشتوں کی تلاش میں لڑکے یا لڑکی کے بارے میں مختصراً کچھ پوچھنا یا بتانا ہو تو یہی مزاج سہارا بنتا ہے۔ کوئی خوش مزاج ہوتا ہے کوئی بد مزاج۔ بعض لوگ بڑے شوقین مزاج ہوتے ہیں جو تفریح کے دل دادہ ہوتے ہیں اور بعض لوگ عجیب المزاج ہوتے ہیں جنھیں سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص گرم مزاج والا اور فلاں ٹھنڈے مزاج والا ہے۔ گرم مزاج کا مطلب لیا جاتا ہے کہ غصہ اور جوش جلد آئے، اسی کے ساتھ کام میں فعال ہو، ایسے لوگ عموما جذباتی بھی ہوتے ہیں۔ ان کے جذبات عقل سلیم کے تابع ہوں تو یہ لوگ بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں لیکن خدانخواستہ ان کے جذبات آزاد ہوں تو نقصان اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ٹھنڈے مزاج سے سستی اور کاہلی عموماً مراد ہوتی ہے۔ اس قسم کے لوگ آرام پسند ہوتے ہیں۔ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سوچتے زیادہ ہیں کام کم کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سوچتے بھی کم ہیں۔ ان میں ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ غلطی کم کرتے ہیں اس لیے کہ کام بھی کم کرتے ہیں۔ بہت سے مریض اپنے ڈاکٹر سے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب! فلاں گولی مجھے گرم پڑتی ہے وہ نہ دیجیے۔ ڈاکٹر حضرات بھی (مزاج کے اس فلسفے کے قائل ہوں یا منکر) مریضوں کے ایسے جملوں کی رعایت ضرور کرتے ہیں۔ کیا ہم نے بھی غور کیا کہ یہ لفظ مزاج اور اس کی تعبیرات ہمارے معاشرے میں کہاں سے آئیں؟ تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں طب یونانی کی آمد کے بعد سے اس طب کے ماہرین اطباء وحکماء کی تعلیمات کے ذریعے مزاج کا لفظ اور اس سے متعلق معانی عام ہوئے۔ جس طرح موجودہ دور میں ایلوپیتھی کی بہت سی اصطلاحات ہر خاص وعام کی زبان سے سنائی دیتی ہیں۔ جنھیں سن کر عمر رسیدہ بزرگ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی بیماریوں کے نام بھی نہیں سنے تھے۔ وہ سچ کہتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ نئی بیماریاں اتنی زیادہ پیدا نہیں ہوئیں جتنی تعبیرات بدل گئی ہیں۔ مثلاً اسی مزاج کو بہت سے لوگ اب نیچر (Nature) بھی کہنے لگے ہیں۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مزاج پر طبی اعتبار سے بات کی جائے، قبل اس کے کہ یہ لفظ ہی انجان بن جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانی تہذیب وتمدن کے عروج کے ساتھ قدیم زمانے میں مختلف علوم وفنون کی بھی ابتداء ہوئی اور رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوتی رہی۔ یونان سے جو علوم وفنون دنیا میں پھیلے ان میں علم طب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ طب کے ساتھ یونانی کی نسبت واضح کرتی ہے کہ اس کے بنیادی اصول وقوانین یونانیوں نے ہی وضع کیے تھے۔ یہ حضرت عیسی علیہ السلام سے قبل کا زمانہ تھا جب یونانی علم طب عروج پر تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا یہ ضابطہ رہا ہے کہ انسانوں کو دعوت الی الحق کے لیے جب انبیا علیہم السلام کو مبعوث فرماتے تو ان کے ہاتھوں ایسے معجزے ظاہر فرماتے جس طرح کے اس عہد کے ترقی یافتہ فنون ہوتے۔ فن طب میں یونانیوں کو کمال حاصل تھا۔ چنانچہ حضرت عیسی کو جو معجزات عطا ہوئے ان میں یہ بھی تھا کہ وہ اندھے اور جذام (کوڑھ) کے مریضوں پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ مریض صحت یاب ہو جاتے۔ بقراط جسے بابائے طب (Father of Medicine) کہا جاتا ہے اس نے علم طب کو سینے سے سفینے (کتابوں) پر منتقل کیا تاکہ بعد کے زمانے میں بھی لوگوں کو اس سے نفع ہو۔ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا جس نے اس کے نام کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔ افسوس کہ آج ادھورے حکیم کوئی چھوٹا سا نسخہ جان لیں تو مادی نفع کی خاطر اسے چھپائے ہوئے دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ بقراط نے طبی علم کو محفوظ کرنے کے ساتھ اس کو غلط استعمال سے بچانے کی تدبیر بھی کی اور سبھی طب کے طلبہ کے لیے ایک عہد لینا لازم کیا جسے عہد نامہ بقراط (Oath Hippocratic) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسی طبیب نے مزاج جیسی طب کی بنیادوں پر ابتداء کلام کیا۔

لفظ مزاج عربی زبان سے ماخوذ ہے جس کا معنی آمیزش ہے۔ جب دو یا زائد چیزیں آپس میں ملتی ہیں تو ان کی کیفیات میں باہم فعل وانفعال ہوتا ہے اور نتیجے میں ایک نئی کیفیت وجود میں آئی ہے جسے مزاج کہا جاتا ہے۔ انسان عناصر اربعہ (آگ، ہوا، پانی اور مٹی) سے بنایا گیا ہے۔ **لقد خلقنا الإنسان فی احسن تقویم** (التین:۴) (بے شک ہم نے انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا) کے الٰہی اعلان کے ساتھ ایک مناسب مقدار میں انہی عناصر کو خالق کائنات نے یوں ملا دیا کہ بہترین انسانی ساخت تیار ہوگئی۔ **فقدرنا فنعم القدرون** (المرسلات:۲۳) پھر ہم نے اندازہ مقرر کیا تو ہم خوب اندازہ کرنے والے ہیں۔ سائنس دانوں نے ان چار چیزوں میں بھی مزید کھوج کر کے چاہا کہ انسانی جسم کا ایک خلیہ ہی بنا لیں۔ چنانچہ یورے اینڈ ملر نے اپنی کیمیکل لیباریٹری میں چند عناصر (Elements) کو ایک مخصوص درجہ حرارت پر مخصوص ماحول میں ایک مدت تک رکھ کر تجربہ کیا اور کسی حد تک انسانی خلیات میں پائے جانے والے اجزاء انھیں نظر بھی آئے لیکن غیر جاندار اشیاء سے جاندار شے بنانے سے قاصر رہے اور اس اللہ کی صفت ربوبیت کے سامنے عاجز رہے جس نے بدن انسانی میں اپنا امر 'روح' ڈال کر اس سانچے کو متحرک کر دیا ہے۔ **الا له الخلق والامر** (الاعراف:۴۵) یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اس کا کام ہے۔ ابدان واجسام کا خالق اور حرکات وسکنات کا حاکم وہی ہے دوسرا کوئی نہیں۔ اللہ تعالی انسان کے بدنی سانچے کو ترکیب دیتے ہیں جس کے نتیجے میں بننے والے مزاج کے مطابق حرکات وسکنات کی اجازت دیتے ہیں۔ ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ ہم اپنے جیسے مزاج کے لوگوں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ لین دین اور معاملات بھی ہم مزاج لوگوں کے ساتھ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں زندگی کی بقا کے لیے بھی انسان ان چاروں چیزوں کی مناسب مقدار کا محتاج رہتا ہے۔ آگ کی حرارت ہو یا سورج کی روشنی، بادنسیم کی خواہش ہو یا تنفس کے لیے آکسیجن کی ضرورت، پیاس کا احساس ہو یا رحمت باراں کی طلب، زمین سے اناج غلے اگانے ہوں یا چند روزہ زندگی گزارنے کے لیے چہار دیواری بنانی ہو ہر انسانی ضرورت کی تکمیل کے لیے یہ ارکان اربعہ (آگ، ہوا، پانی، مٹی) بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر رکن اپنے اندر ایک کیفیت رکھتا ہے۔ آگ میں گرمی اور خشکی کے وجود کا انکار ہے؟ ہوا کی ٹھنڈک اور نمی سے بھی لطف لیتے ہیں۔ پانی میں ٹھنڈک کے ساتھ نمی کی صفت جگ ظاہر ہے۔ مٹی کو پانی سے جدا کر دیا جائے تو خشکی کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ اور یہ مٹی کی ٹھنڈی صفت ہی ہے کہ پانی ٹھنڈا رکھنے کے مقصد سے مٹی کے گھڑے بنائے جاتے رہے ہیں۔ جب انسان انہیں چار عناصر سے مل کر بنا ہے تو لامحالہ ان ہی کی کیفیات کم وبیش انسان میں پائی جائیں گی۔ گرمی (حرارت)، ٹھنڈی (برودت)، نمی (رطوبت) اور خشکی (یبوست) یہ وہ بنیادی ہیں جو انسان اور دیگر اشیاء کا مزاج ظاہر کرتی ہیں۔ بحیثیت انسان دیگر مخلوقات کے مقابلے ہمارا ایک مزاج ہے جو اگرچہ نہ آگ کی طرح گرم وخشک ہے، نہ ہوا کے مثل گرم وتر، نہ پانی کی طرح سرد وتر اور نہ مٹی کی طرح سرد وخشک لیکن ان سب کے درمیان ایک اعتدال ہے جو انسانی حرکات وسکنات کے لیے موزوں ترین ہے۔ یہ انسانی مزاج مختلف افراد میں تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ حرارت کے پیمانے پر غور کیا جائے تو کوئی گرمی کی طرف مائل ہوتا ہے کوئی سردی کی طرف۔ رطوبت کے پیمانے پر کوئی مرطوب مزاج تو کوئی خشک مزاج ہوتا ہے اور کچھ لوگ درمیانی مزاج کے ہوتے ہیں۔ چوں کہ یہی مزاج انسانی افعال کے تغیرات اور فرق کا سبب ہوتا ہے اس لیے کسی شخص کے مزاج کو معلوم کرنے کے لیے اطباء اس کے بدنی افعال اور کیفیات کا بغور معائنہ کرتے ہیں۔ اس فرد کا بات کرنے کا انداز، دیکھنا اور سننا، چلنا پھرنا، انفعال وتاثر، درجہ حرارت، جسمانی ساخت، لحم وشحم کے ساتھ ساتھ اس کی سوچ وفکر، عزائم اور دلچسپیوں کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ ڈیجیٹل لائف کے اس دور میں بھی آپ اپنے ڈیبٹ (Debit) اور کریڈٹ (Credit) کو چاہیں تو چھپا لیں اور ہر نقصان سے محفوظ رہیں لیکن مزاج کی صحیح تشخیص کے لیے ضروری ہے کہ ہر داخل بدن اور خارج بدن چیز کی مقدار وکیفیت آپ اپنے طبیب کو ہی بتائیں۔ انسان مسلسل بدلتی ہوئی فضاء میں رہتا ہے۔ کھانے پینے کی ہر چیز کا اثر لیتا ہے۔ اس کے بدن کی حرکات وسکنات کم زیادہ ہوتی رہتی ہیں۔ یہ زندہ دل ودماغ رکھتا ہے جو واقعات وحوادث پر رد عمل کرتے ہیں۔ سونے جاگنے میں کمی بیشی ناگزیر ہے اور لائف اسٹائل کی وجہ سے فضلات بدن میں تغیر ہوتا ہے۔ یہ سارے عوامل انسان کے مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بعض مرتبہ انسانی مزاج طبعی حالت سے مرض کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

صحت کی حفاظت اور مرض کے علاج میں مزاج کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے قدیم روایت ہے کہ بیماری میں عیادت کرنے والے احباب طبیعت وخیریت کے ساتھ مزاج بھی پوچھتے ہیں۔ جیسے ہر انسان کا ایک مزاج ہوتا ہے اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء کا بھی مزاج ہوتا ہے جسے تاثیر بھی کہا جاتا ہے۔ اشیائے خورد ونوش کا مزاج یہ سمجھنے میں معاون ہے کہ ان کا استعمال بدن انسانی میں کن اثرات کو پیدا کر سکتا ہے اور انھیں کب کتنا استعمال کرنا چاہیے کب نہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا گھروں میں جب بچے شوق سے کسی پھل کو زیادہ کھانے لگتے ہیں تو انھیں یہ کہا جاتا ہے کہ بیٹا! یہ ٹھنڈا ہے زیادہ کھاؤ گے تو سردی ہو جائے گی۔ اس طرح بڑی بوڑھیاں گھروں میں حاملہ عورتوں کو کہتی ہیں کہ فلاں چیز گرم ہے، تم نہ کھانا، یہ تمہیں نقصان کرے گی۔ کسی غذا کے گرم مزاج کی وجہ سے اس کا حمل کے ایام میں باعث نقصان ہونے کا تصور طب یونانی سے ہی سماج میں آیا ہے۔ آج کل نت نئی غیر معیاری ریسرچ کی اس قدر بھرمار ہے کہ عام آدمی تو دور، ایک عام طبیب بھی حیران ہو جاتا ہے کہ کیا مانے، کیا چھوڑے؟ اگر کوئی غذا یا تدبیر کسی حالت میں مفید بتائی جاتی ہے تو اسی غذا یا تدبیر کے اسی حالت میں مضر اثرات بھی ثابت کر دیئے جاتے ہیں۔ ترقی کے اس دور میں ایسی عاجلانہ تحقیقات کسی کے کام کی ہوں یا نہ ہوں اس شعبے کے محققین کے لیے ایک عنوان ضرور بن جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں یونانی طب ہمارے لیے رہنما ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ طویل مدت کے تجربات پر مبنی ہے اور سب سے زیادہ قوموں اور علاقوں پر آزمائی گئی ہے۔ موسموں اور آب وہوا کا بھی مختلف مزاج بیان کیا گیا ہے جن کا اثر انسانوں پر ضرور پڑتا ہے، موسموں کا مزاج حسب ضرورت مختلف مفید تدابیر اختیار کرنے میں رہنمائی کرتا ہے تاکہ موسموں کے مضر اثرات اور اس میں پیدا ہونے والی بیماریوں سے بچا جا سکے۔ یہ بات سارے لوگ فطری طور پر سمجھتے ہیں کہ گرمی میں ٹھنڈی چیزیں اور سردی میں گرم چیزیں استعمال کرنی چاہئیں۔ جو لوگ زیادہ غور وفکر کرتے ہیں اور صحت کا خیال رکھتے ہیں وہ ماکولات ومشروبات میں ان کیفیات کو سوچتے ہیں کہ کون سی چیز گرم ہے اور کون سی ٹھنڈی۔ یہ بہت اچھی سوچ ہے۔ لیکن اب مزاج کے معاملے میں عوام کی اکثریت کو پہلے جیسے لوگوں کا سا علم نہیں رہا۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں مزاج اور کیفیت کا خیال ہی نہیں رکھا جاتا۔ اس غلطی کی وجہ صرف ناواقفیت نہیں بلکہ کچھ حد تک جدید طب ایلوپیتھی کے اس منفی نظریے کا اثر بھی ہے جو مزاج سے متعلق اس میں پایا جاتا ہے۔ ایلوپیتھی میں مزاج کا نہ کوئی تصور ہے نہ اس کے لیے کوئی خانہ۔ جب کہ مزاج کا فلسفہ صدیوں کا آزمودہ اور ثابت شدہ ہے۔ اب بھی اس کی افادیت مسلمہ ہے۔ گرمیوں میں اگر آپ دن میں چار پانچ مرتبہ برف سے ٹھنڈے کئے ہوئے مشروبات نوش کر کے سکون محسوس کرتے ہوں تو سردیوں میں اس طرح کرنے سے آپ کو زکام ہو جائے گا، یونانی اطباء نے انہیں کیفیات اور مزاج کے اصولوں پر ہمیشہ علاج ومعالجے کی ترغیب دی۔ مختلف انسانوں کا مختلف مزاج عمر کے مختلف مراحل بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں بدلنے کے باوجود کلی طور سے ہر ایک فرد میں ایک انفرادی امتیاز رکھتا ہے۔ طب یونانی میں ہر شخص کے لیے اس کے مزاج کے مطابق غذا تجویز کی جاتی ہے۔ مزاج کے مطابق دوا اور اس کی مقدار بتائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی دواؤں کو مضر اثرات (سائڈ افیکٹ) سے محفوظ سمجھا جاتا ہے، برخلاف ازیں موسم سرما کی راتوں میں آگ سے سینکنے اور ساتھ ساتھ گرما گرم چائے پینے کا شوق بھلا کوئی اپریل مئی کی دوپہر میں پورا کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے ایسی ہمت کسی کو نہ ہوگی۔ یہ آسانی سے سمجھ میں آنے والی مثالیں ہیں۔ جب تدابیر اور مشروبات کا یہ حال ہے تو دواؤں کا اثر مختلف موسموں میں مختلف کیوں نہیں ہوگا۔ بالکل ہوگا اور ہوتا ہے۔ اس طرح کی موٹی باتیں جب لوگ مانتے ہیں تو جن اصولوں پر یہ اثرات مبنی ہیں ان کو بھی ماننا چاہیے، جب کہ ایلوپیتھی کے مضر اثرات سے لوگ پریشان رہتے ہیں۔ اگر مزاج کا خیال رکھتے ہوئے مناسب کیفیت کی دوا مناسب مقدار میں دی جائے جو بیماری کی اتنی ہی زائد کیفیت کو اسی مناسبت سے بڑھی ہوئی مقدار میں کم کرنے کے لیے کافی ہو، نہ زائد دوا بچے نہ کیفیت، تو مضر اثرات نہیں پیدا ہوں گے۔ جب کہ ایلوپیتھی میں دوا کی ایک ہی مقدار عموما سارے مزاج کے لوگوں کو دی جاتی ہے۔

امید ہے ان باتوں سے طب یونانی کے فلسفۂ مزاج کی اہمیت سمجھنے میں مدد ملے گی۔ یہ ایک مستقل علم ہے جس پر سب سے پہلے جالینوس نامی طبیب نے کتاب فی المزاج لکھی تھی اور موجودہ دور میں اس پر تحقیقات بھی ہو رہی ہیں۔

دلچسپ بات ہے کہ معاشرے میں پہلے سے رائج طریقہ ہائے علاج مثلا طب یونانی کی اکثر تعلیمات (بشمول مزاج) ایسی ہیں جو عوام میں مقبول ہیں۔ طبی علم وفہم کی کمی سے ان میں کچھ تبدیلی ضرور ہو چکی ہیں۔ لیکن تھوڑی توجہ سے درست ہو سکتی ہیں خصوصا مسلم معاشرے میں طب یونانی سے آج بھی محبت وعقیدت ہے۔ سنجیدگی کے ساتھ اس سماجی عقیدت کا صحیح استعمال کر کے معاشرے کو بے حد مفید طبی تحفہ دیا جا سکتا ہے۔

اسلام اور مغربی تہذیب

ڈاکٹر شاکر فرخ ندوی

موجودہ اسلامی دنیا کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت پوری اسلامی دنیا مصائب وآلام سے گھری ہوئی ہے، اسلام دشمن عناصر کی جانب سے چوطرفہ یلغار ہے، اور مسلمانوں کے اپنے فکر وتہذیب پر اعتماد اور عقیدہ وایمان کو متزلزل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش جاری ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں نے عالم اسلام کو کمزور کرنے کے لئے ہر محاذ پر اس کا محاصرہ کر رکھا ہے، ایک جانب سیاسی سطح پر عالم اسلام کی ساکھ بالکل ختم کر دی گئی ہے، اور پوری اسلامی دنیا پر- بجز چند کہ- ایسے حکمراں بٹھا دیئے گئے ہیں، جو انہیں آقاؤں کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے ہیں، جو ان ممالک میں انہی طاقتوں کے مقاصد کی تکمیل میں سرگرم عمل ہیں، جن کا کوئی بھی فیصلہ اپنے آقاؤں کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے پورا عالم اسلام نرغہ میں ہے۔ دوسری جانب اقتصادی اعتبار سے- باوجود معدنی ذخائر کی کثرت کے- عالم اسلام زبوں حالی کا شکار ہے، اور عالم اسلام کا معدنی ذخیرہ بھی دنیا کی انہی بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں ہے، یہی ان کے اثاثہ اور ذخیرہ کی قیمت طے کرتے ہیں، یہی خریدار بنتے ہیں، اور پھر اپنی مرضی کے مطابق ان کی قیمتیں طے کر کے ان سے دولت وصول کرتے ہیں۔ سیاسی واقتصادی زوال کے اسباب ووجوہات تلاش کر کے باضابطہ اس کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ایک مرتبہ پھر اسلام کا اقبال بلند ہو اور اسلام کے سیاسی واقتصادی نظام کو عروج حاصل ہو سکے، اور پوری دنیا جو اس وقت مختلف سیاسی واقتصادی نظاموں کا تجربہ کر کے تھک چکی ہے اور کسی مضبوط سیاسی نظام اور پختہ اقتصادی نظام کی تلاش میں سرگرداں ہے، اسے اسلام کے سایہ تلے قرار حاصل ہو سکے۔

مغربی دنیا اور عالم اسلام کے درمیان اس سیاسی واقتصادی کشمکش کے علاوہ ایک اور بڑی کشمکش بھی ہے جس نے پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، یہ ایسی کشمکش ہے جس کا خطرہ اس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے، وہ ہے فکری اور تہذیبی کشمکش، حقیقت یہ ہے کہ سیاسی واقتصادی حالات کے بدلنے میں تو دیر نہیں لگتی، یا بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ سیاسی واقتصادی حالات تو بدلتے ہی رہتے ہیں، لیکن افکار کی تبدیلی اور تہذیب کی تبدیلی آسان نہیں ہوتی، اور اس کے لئے وقت بھی درکار ہوتا ہے۔ جنگوں میں فتوحات کی وجہ سے، عالمی دباؤ کی وجہ سے یا انتخابات کے نتائج کی وجہ سے حکومتیں آن واحد میں بدل جاتی ہیں، اسی طرح عالمی دباؤ کی وجہ سے یا نفسیاتی دباؤ کی وجہ سے یا دیگر مادی اسباب کی صورت میں اقتصادی حالات میں بھی بآسانی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، ماضی قریب میں عرب بہاریہ کے نتیجہ میں عالم اسلام کے بعض ممالک میں اس طرح کی تبدیلیاں پیدا ہوئیں، سیاسی نظام پلٹ دیا گیا محکوم حاکم بن گئے، اور حاکم پس دیوار زنداں چلے گئے یا جلاوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو گئے اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے، سیاسی واقتصادی سطح پر ہونے والی اس تبدیلی کی وجہ سے گذشتہ سیاسی واقتصادی نظام کے اثرات بھی جلد ہی ختم ہو جاتے ہیں اور عوام بہت جلد نئے سیاسی اور اقتصادی نظام کو قبول کر لیتی ہے، جس کی مثال ماضی قریب میں عراق اور افغانستان ہیں، جہاں سیاسی واقتصادی ہر دو سطح پر حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی، اسی طرح روسی تسلط سے آزادی حاصل کرنے والی جمہوریتیں ہیں، سیاسی واقتصادی سطح پر نظام کی تبدیلی جس قدر سہل اور آسان ہے، فکری اور تہذیبی طور پر تبدیلی کا پیدا ہونا اتنا ہی مشکل ترین مرحلہ ہے۔

چونکہ انسان جس فکر کے سایہ میں پروان چڑھتا ہے اور جس طرح اس کے فکری سانچہ کو ڈھالا جاتا ہے، اور جس تہذیب کا اثر اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتا ہے، جن رسموں کا وہ پابند ہو جاتا ہے، اور جو عقائد و عادات اس کے ذہن ودماغ میں پیوست ہو جاتے ہیں، اس فکر، اس تہذیب اور ان عقائد وعادات سے دست بردار ہونا یا کسی کے اندر اس فکر اور تہذیب سے برگشتگی پیدا کرنا نہایت دشوار امر ہے، جب ہم انبیاء کرام اور مصلحین کی سیرت اور ان کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان قدسی صفات نفوس کو بھی سب سے زیادہ دقت افکار اور تہذیب کو بدلنے میں پیش آئی ہے، انبیاء کرام نے جب بھی باطل عقائد پر تیشہ زنی کی، باطل تہذیب کے خلاف آواز بلند کی، اور اپنی اپنی قوموں کو صحیح عقائد اور صحیح تہذیب کی دعوت دی، تو انہوں نے اس عقیدہ اور تہذیب کی دہائی دی جو انہیں ان کے آباء واجداد سے وراثت میں ملی تھی، اس باطل عقیدہ اور باطل تہذیب کو نہ چھوڑنے کی کوئی عقلی دلیل ان کے سامنے نہ تھی، قرآن کریم میں مختلف انبیاء کرام کی دعوتوں میں اس کا تذکرہ ہے، ارشاد باری تعالی ہے:" واذا قيل لهم اتّبعوا ما انزل الله قالوابل تتبع ما الفينا عليه آباء نا أولو كان آباؤهم لا يعقلون شيئا ولا يهتدون" (البقرہ/۱۷۰) ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو، تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو پایا ہے، خواہ ان کے باپ (دادا) نہ ذرا بھی عقل رکھتے ہوں اور ہدایت رکھتے ہوں۔

ایک دوسری جگہ قرآن کریم مختلف انبیاء کی دعوتی کوششوں کے ذکر کرنے کے بعد ان کی قوموں کے جواب کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:"قالوا إن أنتم إلا بشر مثلنا تُريدون أن تصدوناعما كان يعبد آباؤنا فأتونا بسلطان مبين" (ابراہیم/۱۰) ترجمہ: (اس پروہ) کہنے لگے تم اور کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ ہمارے ہی جیسے بشر ہو، تم بس یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا عبادت کرتے آئے ہیں جس چیز کی، اس سے ہم کو روک دو، سولاؤ ہمارے پاس کھلا ہوا معجزہ۔

حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں بھی ان کی قوم نے ان کو یہی جواب دیتے ہوئے کہا: "قالوا يا صالح قد كنت فينا مرجوا قبل هذا أتنهاتا أن نعبد ما يعبد آباؤنا وإننا لفی شک مما تدعونا إليه مريب" (ہود/۶۲) ترجمہ: وہ بولے اے صالح تم تو اس سے قبل ہم میں بڑے ہونہار تھے (تو) کیا تم ہمیں (اس سے) منع کرتے ہو کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے اور ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک میں ہیں تردد میں پڑے ہوئے ہیں جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو۔

خاتم النبیین حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا، انبیائے کرام کے علاوہ دیگر مصلحین بھی اسی طرح کے حالات سے دوچار ہوئے۔ اس کا مطلب واضح طور پر یہی ہے کہ انسانوں کے ذہنوں پر اور ان کے قلوب پر خاندانی اور قومی وقبائلی اثرات، عادات اور عقائد کا تسلط ہوا کرتا ہے، اور جب یہ نفس انسانی ابتدا ہی سے کسی چیز سے مانوس ہوتا ہے یا جس کی فکری نشو ونما جن حالات وماحول میں ہوتی ہے، اور جس طرح کے عقائد اور تہذیب کے سایہ میں وہ پروان چڑھتا ہے، اس کو چھوڑنا اور کسی نئی تہذیب کو اپنانا اور نیا عقیدہ اختیار کرنا بڑا مشکل کام ہے، اور یہ تہذیبی وفکری کشمکش عالمی اور دائمی ہے، دنیا کا کوئی خطہ کسی بھی زمانہ میں اس سے محفوظ نہیں رہا، ہر دور میں ایک فکر دوسرے افکار پر اور ایک تہذیب دوسری تہذیبوں پر غلبہ کی کوشش کرتی رہی، جس کی بنا پر دنیا میں بڑی بڑی جنگیں بھی لڑی گئیں، اس کی خاطر سیاسی واقتصادی اور دیگر تمام وسائل وذرائع کا استعمال کیا گیا بھی ایک فکر اور ایک تہذیب غالب آ گئی، تو مغلوب فکر اور مغلوب تہذیب کے ماننے والے افراد از سر نو میدان عمل میں آ کر اپنی تسلط وبالادستی کی کوششیں کرتے رہے، اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

جب ہم موجودہ دور کا جائزہ لیتے ہیں تو اس وقت بھی عالمی سطح پر دو فکر اور دو تہذیبوں کے درمیان تصادم برپا ہے، دونوں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں، ایک جانب اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب ہے، جس کے پاس نہ اس وقت سیاسی بالادستی ہے اور نہ اقتصادی غلبہ، نہ جدید ذرائع ابلاغ، لیکن اس کی قوت کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہے۔

دوسری جانب مغربی فکر اور مغربی تہذیب ہے، جس کی اس وقت پوری دنیا میں بالادستی ہے، سیاسی واقتصادی اعتبار سے بظاہر اسی کا تسلط ہے، ذرائع ابلاغ پر اسی کی اجارہ داری ہے، اس فکر کے حامل افراد اور اس تہذیب کے ماننے والے اور اس کے فروغ کے لئے کام کرنے والے حضرات نے اس وقت پوری دنیا کے سیاسی واقتصادی نظام کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب سے خائف ہیں، کیونکہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ اگر اسلامی فکر نے لوگوں کے ذہن ودماغ میں جگہ بنالی، اور اسلامی تہذیب کی خوبیاں دنیا کے سامنے آ گئیں تو اس باطل مغربی فکر اور تہذیب کا خاتمہ ہو جائے گا، اس لئے یہ حضرات وقتاً فوقتاً اس قرآنی فکر اور درخشاں تہذیب پر حملے کرتے رہتے ہیں، دین اسلام کے خلاف زبان طعن دراز کرتے رہتے ہیں، قرآنی تعلیمات کو ہدف تنقید بناتے ہیں، اسلام کے معاشرتی نظام کو نشانہ بناتے ہیں، عورتوں کی آزادی کے عنوان سے دین متین کے حجاب کے سسٹم پر گفتگو کر کے اپنی کم عقلی کا ثبوت دیتے ہیں، ناموس رسالت پر کیچڑ اچھالتے ہیں، تاکہ اہل اسلام دفاعی پوزیشن میں رہیں اور اقدامی پوزیشن اختیار نہ کر سکیں، اور اسلام کے محاسن، اسلامی نظام حیات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے روشن پہلو دنیا کے سامنے نہ آ سکیں۔

یوں تو کفر واسلام اور حق وباطل کی کش مکش روز اول سے چلی آ رہی ہے اور ابد تک رہے گی، لیکن مغربیت و اسلامیت کی اس موجودہ کش مکش کا آغاز اٹھارہویں صدی عیسوی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز میں اس وقت ہوا جب تاریکی کے عہد کے بعد یورپ ترقی کے ابتدائی مرحلہ میں تھا اور یورپ میں زندگی کے تمام سیاسی واقتصادی میدانوں میں بیداری پیدا ہو رہی تھی علمی اعتبار سے بھی مغربی دنیا کے لئے یہ نشات ثانیہ کا مرحلہ تھا، جس کے نتیجہ میں مغربی ممالک کے اندر سیاسی، اقتصادی اور علمی اعتبار سے استحکام پیدا ہو رہا تھا بلکہ یہ مغربی ممالک دیگر ممالک پر قابض ہوتے جا رہے تھے، ایک جانب یہ مغربی ممالک ترقی کی راہ پر گامزن تھے تو دوسری جانب اسلام کے مرکزی قلعہ خلافت عثمانیہ کی مرکزیت داؤ پر لگی ہوئی تھی، عثمانی خلفاء کی کمزوریوں کی بنا پر اس خلافت کو مرد بیمار سے تعبیر کیا جانے لگا تھا، اسی درمیان انیسویں صدی کے آغاز میں پٹرول، گیس اور بجلی وغیرہ کے اکتشافات نے مغربی دنیا کو مضبوط اور اسلامی ممالک کو کمزور کر دیا، کیونکہ ان اکتشافات میں بنیادی کردار انہیں مغربی ممالک کا تھا، چنانچہ ان مغربی ممالک نے سامراجیت کا کھیل شروع کر دیا اور پوری دنیا کو اپنی کالونیوں میں تبدیل کرنے لگے، ہالینڈ نے انڈونیشیا پر قبضہ کر لیا، انگلینڈ کا تسلط ہندوستان پر ہو گیا، روس نے وسط ایشیا کی اسلامی ریاستوں کو اپنے زیر نگیں کر لیا، فرانس نے شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا، ترکی کو روس دھمکی دینے لگا اور دردنیل اور بوسفورس کے راستہ بحر متوسط تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا، فرانس اور برطانیہ کی نگاہیں عرب ممالک پر مرکوز ہو گئیں کہ کب خلافت عثمانیہ کا کلی طور پر خاتمہ ہو اور وہ دونوں عرب ممالک پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑیں اور اس پورے خطہ کی بندر بانٹ کر لیں، ایران پر انگریزوں اور روسیوں کی نگاہیں ٹکی ہوئی تھیں، مصر جو عالم اسلام کا مرکزی خطہ اور بقول حضرت مولانا علی میاں ندوی- تہذیبوں کے لئے ایک گذرگاہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس پر پہلے نپولین بونا پارٹ نے ۱۷۹۸ء میں حملہ کیا اور تین سال تک فکری اور تہذیبی سطح پر مصر کے اندر بڑی تبدیلی پیدا کی، پھر برطانیہ اور فرانس دونوں میں باہمی اختلافات ہوئے، اور برطانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا، اس طرح عالم اسلام کے حصے بخرے ہوتے چلے گئے، اور کچھ ناعاقبت اندیش افراد نے ان استعماری اور سامراجی طاقتوں کا بھرپور ساتھ دیا، اس طرح مغربی فکر اور مغربی تہذیب کے نمائندوں کو مسلم ممالک میں اثر ونفوذ حاصل ہونے لگا۔

غزوۂ بنو مصطلق میں منافقوں کی شرارت

حضرت مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان ۵ھ میں یہ خبر پہنچی کہ بنوالمصطلق کا سردار حارث بن ضرار جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اور وہ عرب کے دوسرے قبائل کو اپنا شریک بنا رہا ہے کہ آؤ مسلمانوں پر حملہ کرنے میں میرے ساتھ شریک ہو جاؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق حال کے لئے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ اسلمی کو بطور ایلچی روانہ کیا، حضرت بریدہ نے واپس آکر اطلاع دی کہ حارث بن ضرار اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر تلا ہوا ہے، اس نے بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور کسی طرح لڑائی اور حملہ سے باز آنا نہیں چاہتا، ساتھ ہی خبر پہنچی کہ حارث اپنے لشکر کو لے کر روانہ ہونے والا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا، مدینہ میں زید بن حارث کو عامل مقرر کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا، مدینہ میں زید بن حارث کو عامل مقرر کیا اور لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے، اس لشکر میں تیس گھوڑے تھے جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے، مہاجرین اور انصار کے جدا جدا علم تھے، انصار کا علم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور مہاجرین کے علمبردار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مقدمۃ الجیش مقرر فرمایا گیا، چونکہ متواتر اور متعدد حملوں میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوتی ہوئی دیکھی تھی، لہذا اس مرتبہ مال غنیمت کی طمع میں عبداللہ بن ابی بھی اپنی جماعت منافقین کے ساتھ شریک ہو گیا۔

یہ منافق لوگ چونکہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے اس لئے ان کو تمام اسلامی حقوق حاصل تھے اور شریک لشکر ہونے سے وہ منع نہیں کئے جا سکتے تھے، یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ عبداللہ بن ابی اور اس کی جماعتِ منافقین لشکر اسلام کے ساتھ بغرض قتال روانہ ہوئی، جنگ احد میں تو یہ لوگ راستے ہی سے لوٹ کر چلے آئے تھے اور شریک جنگ نہ ہوئے تھے، حارث بن ضرار نے ایک جاسوس روانہ کیا تھا، یہ جاسوس راستہ میں اتفاقاً لشکر اسلام کے قریب پہنچا اور گرفتار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، جب اس کا جاسوس ہونا متحقق ہو گیا تو رسم عرب اور جنگی آئین کے موافق اس کے قتل کا حکم صادر ہوا اور وہ قتل کیا گیا، حارث کو جب اپنے جاسوس کے قتل ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچنے کی خبر پہنچی تو وہ بہت پریشان اور بدحواس ہوا۔

آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم آگے بڑھ کر ان کو اسلام کی دعورت دو، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کو تبلیغ اسلام کی، انہوں نے سختی سے انکاری جواب دیا، اس کے بعد طرفین سے حملہ آوری ہوئی، کفار کا علم بردار حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا، علم بردار کے گرتے ہی کفار کے پاؤں یک لخت اکھڑ گے اور وہ میدان چھوڑ کر مسلمانوں کے سامنے سے بھاگ گئے، جو آدمی کفار کے گرفتار ہوئے ان میں جویریہ یعنی سالار لشکر کی بیٹی بھی گرفتار ہوئی، بہت سامان غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا، مریسیع جہاں یہودان بنی المصطلق سے لڑائی ہوئی تھی، مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلے پر تھا۔

منافقین کی شرارت

واپسی میں منافقوں نے اپنی عداوتِ باطنی کے تقاضے سے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ بعض مہاجرین و انصار میں لشکر رنجی و بے لطفی تک نوبت پہنچا دی، عبداللہ بن ابی نے انصار و مہاجرین کے سوال کو خوب ابھارا اور یہاں تک کہ اس کی زبان سے نکلا کہ مدینہ میں چل کر ان تمام مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیا جائے گا، اس سفر میں ایک اور قابل تذکرہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی سفر میں ہمراہ تھیں، ایک منزل پر لشکر نے قیام کیا، وہاں سے روانگی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہودج اونٹ پر رکھ دیا گیا اور یہ محسوس نہ ہوا کہ ہودج میں ہیں کہ نہیں، حالانکہ وہ رفع حاجت کے لئے گئی ہوئیں تھیں، ان کو وہاں کسی قدر دیر اس وجہ سے لگی کہ وہ اپنی ہمشیرہ کا ایک ہار پہنے ہوئے تھیں، اتفاقاً اس ہار کا ڈورا کسی جھاڑی میں الجھ کر ٹوٹ گیا اور موتی بکھر گئے، چونکہ پرائی چیز تھی اس لئے اور بھی زیادہ اس کا خیال ہوا، زمین پر سے موتیوں کے چننے میں وقت زیادہ صرف ہو گیا، لشکر اس عرصہ میں روانہ ہو گیا، آپ واپس تشریف لائیں قیام گاہ کو خالی پایا، بہت متردد اور پریشان ہوئیں، اسی عرصہ میں صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ اونٹ لئے ہوئے پیچھے سے آتے ہوئے نظر آئے، صفوان بن معطل کے سپرد یہ خدمت تھی کہ وہ سب سے پیچھے قیام کریں اور قافلہ کی روانگی کے بعد سب سے بعد میں قیام گاہ کا معائنہ کرتے ہوئے روانہ ہوں کہ اگر کسی کی کوئی چیز رہ گئی ہے تو اس کو اٹھاتے لائیں اور اس طرح کسی کا کوئی نقصان نہ ہونے پائے، صفوان رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت اس لئے بھی سپرد کی گئی تھی کہ وہ کثیر النوم بھی تھے اور دیر میں سوتے ہوئے اٹھتے تھے، حسب دستور صفوان رضی اللہ عنہ قیام گاہ کا معائنہ کرتے ہوئے آئے اور انہوں نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو متاسف و ششدر رہ گئے، فوراً اپنے اورنٹ سے اترے، ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر بٹھایا اور اس کی مہار پکڑ کر روانہ ہوئے اور لشکر سے جا ملے، جب اپنے لشکر میں اس طرح پہنچے اور لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ سب تاسف ہوئے لیکن منافقین کو باتیں بنانے اور بہتان باندھنے کا موقع مل گیا، منافقوں نے طرح طرح کی باتیں کر کے لشکر میں ایک طوفان برپا کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ بہت متردد اور خاموش تھے۔

غرض منافقوں نے مرتبہ شریکِ لشکر اسلام ہو کر مسلمانوں کو اپنی شرارتوں سے پریشان کرنے کا خوب موقع پایا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے جو بہتان باندھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قریباً ڈیڑھ ماہ اپنے والد کے یہاں رہیں اور مسلمانوں کو عام طور پر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت و عفت اور مظلومی کا یقین ہو گیا، ایک مہینہ کے بعد خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان کی پاک دامنی اور بے گناہی کا حکم نازل ہوا اور خدائے تعالیٰ نے صدیقہ رضی اللہ عنہا کے صدیقہ ہونے کی گواہی دی، جس کی پوری تفصیل سورہ نور میں موجود ہے، ''ان الذین جآئوا بالافک عصبۃ منکم'' سے لے کر ''لھم مغفرۃ و رزق کریم'' تمہاری برأت میں نازل ہوئی ہیں، میری والدہ نے کہا کہ عائشہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرتؐ کا شکریہ ادا کرو، میں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان نہیں مانتی ہوں اور نہ ہی کھڑی ہوں گی، میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اسی نے مجھے بری فرمایا، آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا اور ان آیات کی ان کے سامنے تلاوت فرمائی۔

''خبیث عورتیں خبیث مردوں کیلئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کیلئے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کیلئے، ان کا دامن پاک ہے ان باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں، ان کیلئے مغفرت ہے اور رزق کریم'' (سورہ نور)۔

تہمت لگانے والوں کو اسّی اسّی کوڑے کی سزا دی گئی، البتہ راس المنافقین عبداللہ بن ابی سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، لیکن مدارس النبوت میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے اس پر بھی حد جاری کرنے کا ذکر کیا ہے۔

واقعہ افک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صبر اور رضائے نبویؐ کی طلب کے اعلیٰ مقام کی نشان دہی بھی کرتا ہے، اس ایک ماہ کے عالم اضطراب میں بیٹی کی حمایت میں ایک لفظ بھی ان کی زبان سے نہیں نکلا۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کو اپنی لغزش پر بے حد افسوس رہا، تلافی کیلئے حضرت عائشہؓ کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر ہے ''کہ وہ ایسی خاتون ہیں جو عقل اور ثبات کی مالک ہیں، شک وشبہ سے ان کو متہم نہیں کیا جا سکتا ہے، وہ عیب سے بالکل محفوظ ہیں''۔ حضرت عائشہؓ نے اس شعر کو سن کر فرمایا: ''لیکن اے حسان! تم تو ایسے نہیں، تم نے غیبت کیا اور ایسی کہ اس جیسی ہو نہیں سکتی۔

حضرت حسان نے حضرت صفوانؓ بن معطل کی ہجو میں شعر کہے تھے، انہیں سن کر وہ تلوار لے کر پہنچے اور کہا مجھے تو شعر کہنا نہیں آتا البتہ تلوار کے وار سے بدلہ لے سکتا ہوں، لوگ صفوانؓ کو پکڑ کر حضور صلی اللہ کی خدمت میں لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کو طلب فرمایا اور ارشاد ہوا تم نے انہیں برافروختہ کر دیا، اب نیکی کرو اور معاف کر دو، اس کے بدلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جاگیر اور ایک قبطی کنیز شیریں نامی عطا فرمائی جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کی بہن تھیں۔

حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خالہ زاد بہن کے یتیم لڑکے تھے جو ان کی کفالت میں تھے، اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کی مدد بند کر دینے کی قسم کھائی تھی، اس پر سورۂ نور کی ۲۲رویں آیت نازل ہوئی: ''تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے، انہیں معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے''۔

اس بشارت کے بعد ابوبکر صدیقؓ حضرت مسطح کی امداد نہ صرف جاری کر دی، بلکہ اس میں اضافہ بھی کر دیا۔

اس سے بیشتر ایک اور صدیقہ یعنی حضرت مریم صدیقہ پر بھی اسی قسم کا بہتان یہودیوں نے باندھا تھا، وہ بھی خائب و خاسر ہوئے اور اس صدیقہ پر بہتان باندھنے والوں کا انجام بھی۔۔خسران و ہلاکت ہی ہوا۔

اس سفر میں منافقوں نے جو شرارتیں کیں، ان کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا رہا، ابھی مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوئے تھے کہ ایک صحابی نے عبداللہ بن ابی کی بدکلامیوں کا ذکر کیا اور استدعا کیا کہ اس منافق کے قتل کا حکم صادر فرمایا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی چونکہ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس لئے اگر اس کو قتل کیا گیا تو لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگے، عبداللہ بن ابی کا بیٹا سچا مسلمان تھا جن کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن ابی تھا، عبد اللہ بن عبداللہ کو جب معلوم ہوا کہ میرا باپ گردن زنی ثابت ہو چکا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عبداللہ بن ابی یعنی میرے باپ کے قتل کرنے کی خدمت میرے سپرد کی جائے تاکہ میں اس کا سر کاٹ کر لاؤں اور یہ ثابت ہو جائے کہ اسلام باپ سے زیادہ قیمتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں عبداللہ بن ابی کو قتل کرنا نہیں چاہتا، یہاں تک مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے وقت عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے خود باپ کو مدینہ کے اندر داخل ہونے سے روک دیا اور کہا کہ تو منافق ہے اس لئے تجھ کو مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے متعلق حکم دیا کہ اس کو مدینہ میں آنے دو۔

اسیرانِ جنگ کی رہائی

بنی المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئیں، حارث چند روز کے بعد خود مدینہ میں آیا اور اپنی بیٹی کو آزاد کرانے کی خواہش ظاہر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جویریہ رضی اللہ عنہا کو خود فدیہ دیکر رہا کرا دیا، جویریہ رضی اللہ عنہا نے باپ کے ہمراہ جانے کے مقابلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ رضی اللہ عنہا کی منشا کے موافق اور حارث کی رضامندی سے جویریہ کے ساتھ نکاح کر لیا، اس نکاح کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابی کرام رضی اللہ عنہم نے بنی المصطلق کے تمام اسیروں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ جو قبیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار بن گیا ہے ہم اس کو قیدی یا غلام نہیں رکھ سکتے، ساتھ ہی تمام مالِ غنیمت بھی واپس کر دیا، اس طرح یہودیوں کے ایک قبیلہ کے ساتھ اس نکاح کی وجہ سے دشمنی کی جگہ محبت پیدا ہو گئی۔

یہودیوں کی ریشہ دوانی

اس جگہ یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ بنی نضیر جب سے جلاوطن ہو کر خیبر اور شام کی طرف چلے گئے تھے انہوں نے مسلسل اپنی کوششوں اور ریشہ دوانیوں کو مسلمانوں کے خلاف جاری رکھا، انہیں کی کوششوں سے عرب کے مشرک اور یہودی قبائل جابجا مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے آمادہ ہونے لگے اور انہیں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا کہ سرحدِ شام پر عیسائی فوجیں بھی مسلمانوں کو خطرہ کی نظر سے دیکھنے لگیں، چونکہ مسلمانوں کے خلاف ملک عرب اور تمام اعرابی قبائل برانگیختہ کر دئے گئے تھے اور جابجا تمام براعظم عرب میں مسلمانوں کی بیخ کنی کے سامان ہونے لگے تھے، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حصے اور قبیلے سے باخبر رہنے کی کوشش فرماتے تھے اور جہاں کہیں خطرے اور فتنے کی قوی ہونے کا احتمال ہوتا تھا، اپنی اسلامی فوج کے ساتھ پہنچ کر اس فتنے کو قوی ہونے سے پہلے ادبا دیتے تھے۔

مسلمانوں کی شان یہ ہونی چاہئے

مولانا شمس الحق ندوی

ہر مسلمان یہ یقین وعقیدہ رکھتا ہے کہ اس پوری کائنات کی خالق و مالک اور اس کے پورے نظام کو چلانے والی ایک ہی خدا کی ذات ہے، جو عزیز بھی ہے اور نا قابل تصور قوت وطاقت والی بھی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، اس کو کسی شریک اور معاون و مددگار کی ضرورت نہیں، اس دنیا میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے، اس میں اس کی حکمت و مصلحت کام کرتی ہے، کبھی ایسے حالات پیش آتے ہیں جو انسان کو ابتلاء وآزمائش کے دور سے گزارتے ہیں لیکن اس میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کبھی ایسے حالات لاتا ہے جو ہمارے لئے بڑے امتحان وآزمائش کے ہوتے ہیں لیکن اس راز کو سمجھنا چاہئے کہ اس میں ہماری ہی خیر ہوتی ہے جس کو اللہ تعالی نے خود اس طرح فرمایا ہے؟ ’’ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بڑی ہو، اللہ جانتا ہے ہم نہیں جانتے۔ (سورہ البقرہ 216) اس لئے مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ حالات سے گھبرانے کے بجائے اپنے مالک کی طرف لولگائے اور اس بات کا جائزہ لے کہ اس کی یعنی بندہ کی کوتاہی اور بے عملی کے نتیجہ میں تو یہ حالات نہیں پیش آرہے ہیں؟ یورپ کی مسلح مادیت نے اس وقت پورے عالم پر جو اثر ڈالا ہے خود مسلمان جس طرح اس کے نرغہ میں ہیں، اور ان کے خلاف نئے نئے انداز سے طرح طرح کی دل دکھانے والی باتیں کی جارہی ہیں کہ مسلمان مشتعل و بے قابو ہو جائیں مگر ہم کو ان تمام حالات میں قرآن کریم سے روشنی حاصل کرنی چاہئے، جس مالک نے اپنی حکمت بالغہ سے ان کو یہ چھوٹ اور مہلت دی ہے، وہ کہتا ہے یہ جو کچھ بک رہے ہیں اس پر صبر سے کام لو اور شریفانہ انداز میں ان سے نباہ کرو۔ فرمایا ’’اور جو باتیں لوگ بنارہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ اُن سے الگ ہو جاؤ۔ (سورہ مزمل؛ 100) اس صورت حال کے مقابلہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم استعینوا بالصبر والصلاۃ إن اللہ مع الصابرین ’’صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (سورہ البقرہ؛ 153) کا سہارا لیں، صبر واستقامت کا ثبوت دیں، ہماری نمازیں درست ہوں، یہ طاقت نمازوں سے پیدا ہوتی ہے اور مسجدوں سے مانوس ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس مسلح مادیت کا مقابلہ کریں جس کو یورپ وامریکہ نے بہترین اسلحہ سے لیس کر رکھا ہے، تو اس کا مقابلہ صرف بیان بازیوں سے نہیں ہوسکتا، اس کے لئے ہمارے اندر ایمانی طاقت کی ضرورت ہے، اپنے معبود حقیقی سے اس عمومی تعلق کی ضرورت ہے جس سے لشکر ابلیس خائف ہے۔ اقبال مرحوم نے اپنے کلام میں اس کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ابلیس نے اپنے کارکنوں سے سارے عالم کے نظاموں کا جائزہ لینے کے بعد کہا کہ ہم کو ان نظاموں سے کوئی خطرہ نہیں، ان کی طاقت اور قوت مداری کے کھیل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ کہتے ہیں؟

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام　　چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

ابلیس کہتا ہے کہ خطرہ ہم کو اس امت سے ہے، اقبال کے الفاظ میں؛

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے　　جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب بھی نظر آتے ہیں وہ　　کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

خال خال کے بجائے اگر ہماری اکثریت کا یہ حال ہو جائے تو پھر کوئی طاقت ہم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا۔ (سورہ محمد؛ 7) مسلمان یہ نہ دیکھے کہ کون کیا کہہ رہا ہے؟ وہ یہ دیکھے کہ وہ خود کیا کہہ رہا اور کر رہا ہے؟ اس کا اپنے عقیدہ اور مالک حقیقی سے کتنا تعلق ہے؟ اگر یہ تعلق صحیح ہے اور مالک کے منشا کے مطابق زندگی گزارنے کیلئے کوشاں ہے تو پھر بڑے سے بڑا طوفان اور آندھیاں اس کو ہلا نہیں سکتیں۔ خدا فرماتا ہے وہ ان کی حفاظت کی ضمانت لیتا ہے، فرماتا ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی فکر کرو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو، اللہ کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ (سورہ مائدہ: 105) دوسری جگہ فرماتا ہے ’’جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ، نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (سورہ فصلت؛ 30) اس یقین اور اعتماد کو بڑھانے کے لئے قرآن کریم نے کیسے کیسے واقعات بیان کئے ہیں۔ فرعون نے چاہا کہ موسیٰ پیدا نہ ہوں، مگر وہ پیدا ہو کر رہے، اس نے منصوبہ بنایا کہ وہ زندہ نہ رہیں مگر وہ زندہ رہے اور اس کی حفاظت میں پروان چڑھے، پھر وہ دن بھی آیا کہ انہیں موسیٰ اور ان کی قوم کی نگاہوں کے سامنے جس کے ظلم و جور کی چکی میں وہ برسہا برس سے پس رہے تھے، اپنے پورے لاؤ لشکر، وزراء وحکام کے ساتھ دریا میں ڈوب گیا۔ ہم تاریخ کے ان حقائق سے اچھی طرح واقف ہیں مگر غور وفکر نہیں کرتے کہ اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے اور ہم اس کے احکام پر کتنی سنجیدگی سے عمل کر رہے ہیں۔ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو آگ کو حکم ہوا؛ ’’اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ (سورہ انبیاء؛ 69) اور نمرود کو ذرا سے مچھر نے مار ڈالا۔ یوسف علیہ السلام کس بے بسی کے عالم میں کنویں میں ڈالے جاتے ہیں لیکن کنویں سے نکال کر تخت شاہی پر بٹھائے جاتے ہیں اور کنویں میں ڈالنے والے ان کے سامنے سوالی بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ قوم لوط کہتی ہے، لوط اور ان کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں؟ ’’مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے، بڑے پاکباز بنتے ہیں یہ‘‘ (سورہ الاعراف؛ 82) مگر، آپ جانتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوا؟ حضرت لوط اور مسلمان گھرانے کو بستی سے نکال لیا گیا اور ان سرکشوں پر پتھر برسائے گئے، اور بستی کو ان پر پلٹ دیا گیا جس کے نشانات عبرت کے لئے اب تک باقی بتائے جاتے ہیں۔ اب اگر مسلمان، اپنے بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے کے بجائے صرف دہائی دیتے رہتے ہیں تو پھر اللہ تعالی کی مدد کا بھی ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا، جس کی پوری تصویر کشی سورہ بنی اسرائیل میں کر دی گئی ہے اور اس لئے کر دی گئی ہے اور اس کو قیامت تک باقی رہنے والی کتاب قرآن کریم میں محفوظ کر دیا گیا ہے کہ مسلمان اس کو پڑھیں سبق لیں اور اپنے آپ کو سنبھالیں اور راہ راست پر لگائیں۔ وہ صرف کلمہ گو مسلمان ہو کر نہ رہ جائیں، صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا حفاظت کی ضمانت نہیں دے سکتا، پوری تاریخ اسلامی بتاتی ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے اس میں کمی کی ہے تو اللہ تعالی نے اپنے منکروں سے ان کو پٹوا دیا ہے۔ ضرورت ہے دل کے اندر اس کلمہ کی حقیقت کو اتارنے اور اس پر عمل کرنے کی، صرف کلمہ گو مسلمان بنے رہنے سے ہم کو وہ قوت وطاقت نہیں حاصل ہوسکتی جو حالات کا مقابلہ کر سکے اور اس کو مادیت کے اس تیز دھارے سے نکال سکے جس میں مسلمانوں کی بڑی تعداد حالات کے تقاضا کا بہانہ بناتے ہوئے بہتی جارہی ہے۔ یہ طاقت تو اسی وقت حاصل ہوگی جب مئے توحید سے اس طرح سرشار ہوں کہ پھر کسی اور جانب دیکھنا ہی نہ پڑے، مولانا محمد علی جوہر نے اس بات کو بڑے مؤثر طریقے سے اس طرح بیان کیا تھا؛

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے، کاش ایسا ہو کہ ہمارا ذوق ایمانی انگڑائی لے، روحانی جذبات لہرائیں اور ایسی دھن سوار ہو کہ کچھ اور نہ سوجھے۔ اپنی ساری مشغولیات کے ساتھ ساتھ اپنے دائرہ کار، حلقہ احباب اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں میں چلتے پھرتے ایمانی چراغ روشن کرنے کی فکر بہت بڑی چیز ہے جو ہزار بلاؤں سے نجات دلانے کیلئے کافی ہوگی مگر شرط یہی ہے کہ ہم ویسے بن جائیں جیسی ہم سے توقع کی گی اور جیسا ہم کو حکم دیا گیا۔ تب اللہ تعالی ہر مشکل سے آسانی کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیگا۔

اعلان مفقود الخبری

معاملہ نمبر ۱۳۱/۵۰۷/۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ بخشی بازار، کٹک)

اکبری بی بی بنت سراج احمد ساکن بشن پور، بالوبیسی ڈاکخانہ بشن پور ضلع جگت سنگھ پور، اڈیشہ۔ فریق اول

بنام

شیخ ناظر علی (پاپا) ولد حکیم الدین مرحوم ساکن بارہ گھر ڈاکخانہ کرشنانند پور ضلع جگت سنگھ پور، اڈیشہ۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف تقریباً پانچ سال سے غائب ولا پتہ ہونے اور جملہ حقوق زوجیت بشمول نان ونفقہ سے محرومی کی بناء پر دارالقضاء امارت شرعیہ پنشن لین، بخشی بازار، کٹک اڈیشہ میں فسخ نکاح کا مطالبہ کیا ہے، لہذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۲۹ راگست ۲۰۲۲ء مطابق ۱ رصفر ۱۴۴۴ھ بوقت ۹ ربجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۵۲/۵۰۲۴/۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ انجمن اسلامیہ کشن گنج)

ناصحہ بیگم بنت قمر عالم مقام بھاگ پوناس ڈاکخانہ سونتھا ضلع کشن گنج۔ فریق اول

بنام

ابصار عالم ولد جلیل الرحمان مقام سیمل باڑی چوک ڈاکخانہ چکلہ ضلع کشن گنج۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف تقریباً دو سال سے غائب ولا پتہ ہونے اور جملہ حقوق زوجیت بشمول نان ونفقہ سے محرومی کی بناء پر دارالقضاء امارت شرعیہ انجمن اسلامیہ کشن گنج میں فسخ نکاح کا مطالبہ کیا ہے، لہذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۵ راگست ۲۰۲۲ء بوقت ۹ ربجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۳۴۸/۲۴۷۹۸/۱۴۴۳ھ

شہزادی خاتون بنت محمد شمس الدین ہاشمی مقام کرتھ ضلع آرہ، بھوجپور۔ فریق اول

بنام

محمد علیم ہاشمی ولد محمد محی الدین ہاشمی مقام رام گڑھ ڈاکخانہ رام گڑھ ضلع کیمور بھبھورا۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ فریق دوم کے خلاف عرصہ دو سال سے غائب ولا پتہ ہونے اور جملہ حقوق زوجیت بشمول نان ونفقہ سے محرومی کی بنا پر مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں نکاح فسخ کئے جانے کا دعویٰ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۱۹ رمحرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۸ راگست ۲۰۲۲ء روز جمعرات کو بوقت ۹ ربجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

معاملہ نمبر ۹/۹/۱۴۴۳ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ موتیہاری)

اکبری خاتون بنت حفیظ میاں مقام جٹواڈاکخانہ سسونیا بلاک بنجریا ضلع مشرقی چمپارن۔ فریق اول

بنام

راشد عالم ولد صبراتی میاں مقام جٹواڈاکخانہ سسونیا بلاک بنجریا ضلع مشرقی چمپارن۔ فریق دوم

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے دارالقضاء امارت شرعیہ موتیہاری، مشرقی چمپارن میں آپ کے غائب ولا پتہ ہونے، نان ونفقہ ودیگر حقوق ادا نہ کرنے کی بناء پر فسخ نکاح کا معاملہ دائر کیا ہے، اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور آئندہ تاریخ سماعت ۱۳ رصفر المظفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۰ رستمبر ۲۰۲۲ء روز سنیچر بوقت ۹ ربجے دن آپ خود مع گواہان وثبوت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں حاضر ہو کر رفع الزام کریں۔ واضح رہے کہ تاریخ مذکور پر حاضر نہ ہونے یا کوئی پیروی نہ کرنے کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جاسکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت۔

طب وسائنس

جامن اور صحت

جامن ایک سستا اور آسانی سے حاصل ہونے والا پھل ہے-اس پھل کی آمد موسم برسات میں ہوتی ہے اور اسی موسم میں اس کا اختتام بھی ہو جاتا ہے۔ یہ پھل عام طور پر پایا جاتا ہے۔اطباء کے نزدیک جامن کا مزاج دوسرے درجے میں سرد وخشک ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے پھل اور سبزیوں کی صورت میں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے موسمی تقاضوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ یہ متعدد عوارضات میں تدبیر کا بھی کام دیتا ہے اس طرح جامن کو ان پھلوں میں شمار کر سکتے ہیں جو غذائی ودوائی فوائد سے مالا مال ہیں-

جامن کے اقسام: جامن چھوٹا بھی ہوتا ہے جسے دیسی جامن کہتے ہیں اور بڑا بھی جو پھلندا کہلاتا ہے جبکہ ایک تیسری قسم بھی ہوتی ہے جس کا گودا بہت کم ہوتا ہے۔

جامن کے قیمتی طبی فوائد: جامن کے بے شمار طبی فوائد ہیں اور یہ کئی امراض کے علاج میں فائدہ ثابت ہوا ہے۔ جامن ذیابیطس کنٹرول کرنے میں انتہائی مفید ہے۔ ذیابیطس ٹائپ ون کی بجائے ذیابیطس ٹائپ ٹو میں جامن کا استعمال زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتا ہے؛ لیکن اس مرض کی دیگر مروجہ ادویات کے بجائے صرف جامن ہی کے استعمال پر انحصار کسی طور پر مناسب نہیں۔شوگر کے مریض اگر کبھی کبھار آم کھالیں تو اس کے بعد جامن کھانے سے شوگر لیول اعتدال پر رکھا جاسکتا ہے نیز اس سے آم کی حدت بھی معتدل ہو جاتی ہے-موسم برسات میں اسہال' گیسٹر و اور دیگر پیٹ کے امراض کیلئے بھی جامن کا سرکہ فائدہ مند ہے جو صدیوں سے مستعمل ہے۔لُو لگنے کی صورت میں جامن کھانے سے لو کے اثرات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔پھوڑے پھنسیوں سے محفوظ رہنے کیلئے جامن نہایت مفید ہے۔ چہرے کے داغ دھبے 'چھائیاں' جامن یا جامن کے شربت کے مسلسل استعمال سے دور ہو جاتی ہیں اور چہرے کی رنگت نکھر جاتی ہے۔چہرے کی شادابی' داغ' دھبے' چھائیاں دور کرنے کیلئے جامن کا بیرونی استعمال بھی کیا جاتا ہے اس مقصد کیلئے جامن کی گٹھلیوں کو پانی میں رگڑ کر اس کا پیسٹ بنائیں اور چہرے پر اس کا لیپ کریں۔ جامن جسم کو تقویت دیتا ہے۔ جامن پیشاب کی جلن میں بھی مفید ہے۔اگر منہ پک جائے تو جامن کے نرم پتے ایک پاؤ لے کر ایک کلو پانی میں جوش دیں بعد ازاں چھان کر کلیاں کرنے سے فائدہ ہو جاتا ہے۔جامن کا کھانا آواز کو درست اور گلے کو صاف کرتا ہے۔رات کو سوتے وقت منہ سے پانی بہنے کی شکایت (بادی کیفیت) کو دور کرتا ہے۔جامن تیزابیتِ معدہ کا خاتمہ کرتا ہے۔معدہ اور آنتوں کی کمزوری کو دور کرنے کیلئے ایک پاؤ جامن کے سرکے میں تین پاؤ چینی ملا کر سکنجبین بنائیں اور صبح وشام استعمال کریں۔بواسیر کا خون بند کرنے کیلئے بیس گرام جامن کے پتے ایک پاؤ دودھ میں رگڑ کر چھان کر پلانا مفید ہے۔جامن کو رطوباتی قے اور جی متلانے کے عوارضات میں مفید پایا گیا ہے اور ایسے دست جو موسم برسات میں رطوبا کی وجہ سے ہو جاتے ہیں ان کے لئے جامن کا استعمال ایک مفید غذائی دوائی تدبیر کا درجہ رکھتا ہے-جامن کے استعمال سے خون کا گاڑھاپن اور بڑھتی ہوئی موسم تیزابیت ختم ہو جاتی ہے-اسی سبب سے یہ خون کے سرطان (کینسر) میں بھی فائدہ مند قرار دیا گیا ہے اپنے سرد خشک مزاج کے سبب جسم کی فالتو رطوبت کو جذب کرتا ہے جگر اور تلی کے ورم میں اچھے اثرات ظاہر کرتا ہے-جامن میں فولاد کی موجودگی کی وجہ سے خون کے سرخ ذرات کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔جامن کے کیمیائی تجزیہ کے مطابق اس میں فولاد بھی پایا جاتا ہے،اس طرح خون کی کمی والے حضرات کے لئے بھی مفید ہے۔جامن وٹامن) حیاتین ج (کا قدرتی خزانہ ہے اس لئے جن لوگوں کو وٹامن سی کے کمی کے نتیجہ میں مسوڑھوں سے خون آتا ہے جامن کے استعمال کے ساتھ ساتھ اس کے پتوں سے بھی استفادہ کریں؛ کیوں کہ جامن کے پتے اور درخت بھی کام آتے ہیں مسوڑھوں سے خون آنے کی صورت میں جامن کے پتوں کو پانی میں جوش دے کر تھوڑا سا نمک ملا کر غرغرے کرنا مفید ہے-

جامن کا سرکہ : سرکہ جامن معدہ اور آنتوں کو طاقت دیتا ہے اس سے نہ صرف نظام ہضم صحیح رہتا ہے؛ بلکہ غذا بھی جلد ہضم ہوتی ہے۔بھوک صحیح لگتی ہے۔اپنے افعال وخواص کے لحاظ سے یہ بھوک لگاتا ہے، گرمی دور کرتا ہے، خون کا جوش اور تیزابیت دور کرتا ہے۔گرم مزاج والوں کیلئے ایک عمدہ تحفہ ہے۔

مضبوط دانت اور مسوڑھے : جامن کی لکڑی کا کوئلہ پیس کر قدرے نمک اور سیاہ مرچ ملا کر منجن کی طرح استعمال کرنے سے دانت اور مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔اس طرح جامن کے درخت کی چھال کے جوشاندے سے بھی یہی فوائد ملیں گے۔

منہ کے چھالے : منہ کے چھالوں میں بغیر نمک جامن کا استعمال مفید ہے۔

دمہ اور کھانسی: جامن کے درخت کا چھلکا دو تولہ آدھے کلو پانی میں جوش دیں۔جب ایک پاؤ پانی باقی رہ جائے تو چار رتی نمک ملا کر صبح وشام پینے سے مرض دمہ اور کھانسی میں مفید ہوتا ہے۔

زخم: جامن کا چھلکا، پانچ تولہ کو ایک کلو پانی میں جوش دیں۔جب ایک پاؤ پانی رہ جائے تو چھان کر اس نیم گرم پانی سے زخموں کو دھوئیں زخم صحیح ہو جائیں گے۔

نکسیر: جامن کے پھول خشک کر کے خوب باریک پیس کر استعمال کرنے سے نکسیر رک جاتی ہے۔

تلی کا ورم: جامن کا سرکہ کھانے اور ورم پر لگانے سے ورم تلی میں فائدہ ہوتا ہے-

جامن کھانے کا صحیح طریقہ: جامن کھانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نمک اور سیاہ مرچ پیس کر کے اس کے ساتھ کھایا جائے-

احتیاطی تدابیر : جس طرح ہر شے میں اعتدال ہی مناسب راہ عمل ہے اس طرح جامن بھی حد اعتدال میں استعمال کریں۔اس کا زیادہ استعمال قبض کرتا ہے۔ہمیشہ کھانے کے بعد کھائیں، خالی پیٹ کھانے سے درد پیدا کر دیتا ہے-

ہفتۂ رفتہ

راشد العزیری ندوی

آدھار اور ووٹر شناختی کارڈ کو لنک کرنے کے معاملے پر سماعت سے سپریم کورٹ کا انکار

سپریم کورٹ نے آدھار اور ووٹر شناختی کارڈ کو لنک کرنے کے معاملے پر سماعت سے انکار کر دیا ہے۔کانگریس لیڈر رندیپ سنگھ سرجے والا نے ایک عرضی داخل کر ووٹر شناختی کارڈ کو آدھا کارڈ سے جوڑنے کو لے کر کیے گئے انتخابی قانون ترمیمی ایکٹ کو رد کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔کانگریس لیڈر نے اس کے لیے سپریم کورٹ میں ایک عرضی داخل کی تھی جس پر سماعت سے انکار کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے انھیں ہائی کورٹ جانے کو کہا ہے۔واضح رہے کہ ووٹر شناختی کارڈ کو آدھار کارڈ سے جوڑنے کے مرکزی حکومت کے فیصلے کے خلاف رندیپ سرجے والا نے سپریم کورٹ میں عرضی داخل کر اسے رد کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔سرجے والا نے اپنی عرضی میں آدھار کو ووٹر شناختی کارڈ سے جوڑنے کے قانون کو پرائیویسی کے حق کی خلاف ورزی اور آئین کے خلاف بتایا ہے۔ساتھ ہی کہا ہے کہ یہ برابری کے حقوق کے خلاف ہے۔عرضی میں کہا گیا ہے کہ ووٹر کارڈ کو آدھار کارڈ سے لنک کرنا شہریوں کی پرائیویسی کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور یہ غیر آئینی بھی ہے۔کانگریس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آدھار شہریت کی نہیں؛ بلکہ باشندہ ہونے کا ثبوت ہے، جب کہ ووٹر شناختی کارڈ شہریت کا حق دیتا ہے۔عرضی میں کہا گیا ہے کہ فی الحال شہریوں کے ڈاٹا کی حفاظت کو لے کر کوئی قانون نہیں ہے، ایسے میں آدھار اور ووٹر کارڈ کو جوڑنے سے حالات مزید سنگین ہو جائیں گے۔عرضی میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس سے ووٹروں کی نگرانی اور ووٹروں کے ذاتی حساس ڈاٹا کے غلط استعمال کا امکان بڑھ سکتا ہے۔

بہار کے 6 اضلاع میں این آئی اے کے چھاپے

قومی تحقیقاتی ایجنسی، بہار کے چھ اضلاع دربھنگہ، پٹنہ، نالندہ، کشن گنج، ارریہ اور مشرقی چمپارن اضلاع میں بیک وقت چھاپے مارے جا رہے ہیں۔این آئی اے کی ایک ٹیم دربھنگہ ضلع کے اردو بازار علاقے میں نورالدین جنگی کے آبائی مقام پر پہنچی۔ایک اور ٹیم نے مشرقی چمپارن ضلع کے چکیہ تھانہ علاقے کے تحت کواو گاؤں میں ریاض عرف معروف کے گھر پر چھاپہ مارا۔پھلواری شریف پٹنہ سمیت مختلف مقامات پر لگائے گئے پی ایف آئی کیمپوں میں ریاض کو ماسٹر ٹرینر سمجھا جاتا ہے۔این آئی اے ریاض کے اہل خانہ سے پوچھ گچھ کر رہی ہے۔ان دو مقامات کے علاوہ نالندہ ضلع کے کٹرا گاؤں میں پی ایف آئی کے مشتبہ رکن محمد اصغر ایک اور ٹیم نے پٹنہ میں پرویز کے گھر پر چھاپہ مارا۔این آئی اے کی مختلف ٹیموں نے کشن گنج اور ارریہ اضلاع میں بھی چھاپے مارے۔ پٹنہ پولیس نے اب تک پی ایف آئی کے آٹھ کارکنوں کو گرفتار کیا ہے اور 14 جولائی کو دو الگ الگ مقدمات درج کیے ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔مرکز نے 22 جولائی 2022 کو کیس این آئی اے کو منتقل کر دیا تھا۔اطہر پرویز، محمد جلال الدین اور ارمان ملک کو سب سے پہلے پٹنہ پولیس نے پی ایف آئی مشتبہ دہشت گردی کے ماڈیول کیس میں گرفتار کیا تھا۔

18 سال سے کم عمر میں شادی کو غیر قانونی قرار دینے کیلئے کورٹ میں دائر ہوئی اپیل

نینی تال ہائی کورٹ نے مسلم پرسنل لا کے تحت 18 سال سے کم عمر کی لڑکیوں کی شادی کو غیر قانونی قرار دینے کے لیے دائر ایک پی آئی ایل کی سماعت کے بعد مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کو اپنا جواب داخل کرنے کی ہدایت دی ہے۔اس معاملے کی سماعت چیف جسٹس وپن سنگھی اور جسٹس آر سی کھلبے کی ڈویژن بنچ کے سامنے ہوئی۔کیس کے مطابق، یوتھ بار ایسوسی ایشن آف انڈیا نے ہائی کورٹ میں ایک پی آئی ایل دائر کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ کچھ عدالتیں، 18 سال سے کم عمر کی شادی کرنے کے بعد بھی نئے شادی شدہ جوڑے کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں پولیس تحفظ فراہم کرنے کا حکم دے رہی ہیں، جیسا کہ مسلم پرسنل لا اس کی اجازت دیتا ہے۔درخواست میں کہا گیا ہے کہ 18 سال سے کم عمر کی شادی، نابالغ لڑکی سے جسمانی تعلق اور کم عمری میں بچوں کو جنم دینے سے بچی اور نومولود کی صحت متاثر ہوتی ہے۔پاکسو جیسے قانون لاتی ہے تو دوسری طرف 18 سال سے کم عمر لڑکی کو شادی کی اجازت دینا اس ایکٹ کی خلاف ورزی ہے۔18 سال سے کم عمر کی لڑکی کی شادی کو ناجائز قرار دیا جائے اور شادی کے بعد بھی اس کے ساتھ جسمانی تعلق کو ریپ کے زمرے میں رکھ کر ملزم کے خلاف پوکسو کے تحت کارروائی کی جائے۔درخواست میں عدالت سے استدعا کی گئی کہ لڑکیوں کی شادی کی عمر 18 سے بڑھا کر 21 سال کرنے کا بل منظور کیا جائے اور جب تک یہ بل منظور نہیں ہوتا، عدالت کسی بھی ذات، مذہب میں ہونے والی شادیوں کو غیر قانونی قرار دے۔فریقین کو سننے کے بعد ہائی کورٹ کی ڈویژن بنچ نے مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کو جواب داخل کرنے کی ہدایت دی۔

سپریم کورٹ میں انسداد منی لانڈرنگ قانون پر سماعت

سپریم کورٹ نے انسداد منی لانڈرنگ ایکٹ کی دفعات کو چیلنج کرنے والی عرضیوں پر فیصلہ سناتے ہوئے قانون میں کی گئی ترمیم کو موزوں قرار دیا۔عدالت میں دائر عرضیوں میں پی ایم ایل اے) پریونشن آف منی لانڈرنگ ایکٹ (کی کئی دفعات کو قانون اور آئین کے خلاف قرار دیا تھا۔عرضی میں پی ایم ایل اے کے تحت ای ڈی کی گرفتاری، ضبطی اور تحقیقات کے عمل کو چیلنج کیا گیا تھا۔سپریم کورٹ نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے پی ایم ایل اے معاملوں میں ای ڈی کے اختیارات کو موزوں قرار دیا۔نیز سپریم کورٹ نے ای ڈی کے ملزم کو گرفتار کرنے کے اختیار کو بھی برقرار رکھا۔عدالت عظمیٰ نے کہا کہ گرفتار کرنے کا عمل منمانی کارروائی نہیں ہے۔یہ فیصلہ جسٹس اے ایم کھانولکر، جسٹس دنیش ماہیشوری اور سی ٹی روی کمار کی خصوصی بنچ نے سنایا۔عرضی میں کہا گیا ہے کہ پی ایم ایل اے کی کئی دفعات خلاف قانون ہیں۔غلط طریقے سے پیسہ کمانے کا جرم ثابت نہیں بھی ہوتا، تب بھی پی ایم ایل اے کا مقدمہ ادھر ادھر پیسہ بھیجنے کے الزام میں جاری رہتا ہے۔دلائل میں کہا گیا کہ اس کا استعمال غلط طریقے سے ہو رہا ہے۔

Volume:62/72,Issue:28 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

یہاں کوتاہیٔ ذوق عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے (اصغر گونڈوی)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND

NAQUEEB WEEKLY

PHULWARI SHARIF,PATNA 801505

SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

احساس ذمہ داری سے ہی بگاڑ دور کیا جاسکتا ہے

مولانا سراج الدین ندوی

آج ملک کے حالات بد سے بدتر ہیں۔ ہر طرف افراتفری ہے۔ کرپشن اپنے عروج پر ہے۔ پورا ملک مالی بحران کا شکار ہے۔ بے روزگاری اور مہنگائی آسمان چھورہی ہے۔ دوسری طرف معاشی استحصال اور سیاسی عدم استحکام اپنے عروج پر ہے۔ پورا ملک اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوچکا ہے۔ اخلاقیات کا ہر پہلو نہایت افسوسناک ہے۔ فحاشی اور عریانیت کے دیو ننگا ناچ ناچ رہے ہیں۔ ظھر الفساد فی البر والبحر کے منظر نے ہر انسان کو بے چین کر رکھا ہے۔

جب ہم انگریزوں کے غلام تھے تو یہ کہا جاتا تھا کہ کرپشن اور بگاڑ کی اصل وجہ غلامی ہے۔ جب ہم آزاد ہوجائیں گے تو اپنی مرضی سے ملک کا نظام چلائیں گے کرپشن اپنی موت آپ مرجائے گا۔ لیکن جب آزادی کا سورج طلوع ہوا تو ہم نے دیکھا کہ پنجاب سے لے کر کلکتہ تک خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ لاکھوں انسانوں کو تہہ تیغ کردیا گیا۔ کتنے بچے یتیم ہوکر رہ گئے۔ لوگ غلامی کے دور کو یاد کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس آزادی سے تو غلامی کا دور بہتر تھا۔

بعض دانشوروں نے کہا کہ ہم اس لیے بگاڑ کا شکار ہیں کہ ہماری قوم جاہل ہے۔ لوگ ان پڑھ ہیں جب تعلیم عام ہوجائے گی لوگوں کو شعور وآگہی حاصل ہوگی تو کرپشن دور ہوجائے گا۔ ملک بھی ترقی کرے گا اور فرد کی بھی ترقی ہوگی۔ چنانچہ ہر جگہ اسکول کھولے گئے۔ کالجیز کی بنیاد ڈالی گئی، یونیورسٹیاں بنائی گئیں، بہتر سے بہتر نصاب تعلیم تیار کرنے کی کوشش کی گئی۔ کمیشن پر کمیشن بٹھائے گئے۔ ماہرین تعلیم تیار کیے گئے۔ اساتذہ کی تربیت کی گئی۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ تعلیم جیسے جیسے بڑھتی گئی بگاڑ عام ہوتا گیا۔ ان پڑھ غبن اور گھوٹالے نہیں کرتے تھے۔ مجھے اہل علم معاف فرمائیں کہ یہ بڑے بڑے گھوٹالے، سرکاری اسکیموں کو چونا لگانا، سازشیں کر کے خرد برد کرنا یہ تمام کام تعلیم یافتہ لوگ کرتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ محض تعلیم سے کرپشن کو دور نہیں کیا جاسکتا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ ہمارے لوگ اس لیے کرپٹ ہیں کہ یہاں غربت ہے۔ غربت کی وجہ سے بگاڑ اور فساد پایا جاتا ہے۔ اگر غربت دور ہوگی، خوش حالی آئے گی، لوگ آسودہ حال ہوں گے، ملک خود کفیل ہوجائے گا، تو لوگ کرپشن کرنا چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ اس کے لیے بڑے بڑے کارخانے لگائے گئے۔ ملیں اور فیکٹریاں کھلیں، بیرونی کمپنیوں کے لیے ملک کے دروازے کھولے گئے، بینکنگ کا جال بچھا دیا گیا، کاروبار کے لیے بڑے بڑے قرضے دیے گئے۔ بہت سی سرکاری اور نیم سرکاری معاشی اسکیمیں نافذ کی گئیں لیکن ہم نے دیکھا کہ جیسے جیسے ملک میں پیسہ آیا اور لوگوں میں خوش حالی آئی تو کرپشن مزید بڑھ گیا۔ مجھے اہل ثروت معاف کریں اور یہ کہنے کی اجازت دیں کہ کرپشن اور بگاڑ غریبوں کے مقابلے میں اہل ثروت کے یہاں زیادہ پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کثرت مال اور دولت سے بھی کرپشن دور نہیں ہوسکتا بلکہ مال کی کثرت بگاڑ میں اضافہ کرتی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ بگاڑ کی وجہ یہ ہے کہ ایک پارٹی بہت دنوں سے اقتدار میں ہے۔ اس کے فیصلے ملک کو ترقی نہیں کرنے دے رہے ہیں۔ ایک خاندان کی حکومت پورے ملک میں نافذ ہے۔ چنانچہ دوسری پارٹیوں کو اقتدار دیا گیا۔ جنتا پارٹی حکومت میں آئی، لیکن جلد ہی کانگریس دوبارہ آگئی۔ پھر بے جے پی اور جنتا دل کا تجربہ کیا گیا۔ لیکن ملک میں کرپشن بڑھتا ہی گیا۔ بڑے بڑے اسکینڈل سامنے آئے، بوفورس، رافیل، تابوت، چارہ گھوٹالوں سے لے کر نوے ہزار کروڑ سے زیادہ کے بینک گھوٹالے ہوئے، کتنے ہی سرمایہ دار لاکھوں کروڑ روپے لے کر ملک سے فرار ہوگئے۔ بجائے اس کے کہ ملک میں شانتی، سکون، اطمینان کی فضا ہوتی خوف، دہشت، انتشار، افتراق، نفرت اور عصبیت بڑھ گئی، لوگ تنہا سفر کرنے میں ڈرنے لگے۔ لوگوں کے کھانے پینے پر پابندیاں لگائی گئیں، لوگوں کو کپڑوں سے پہچاننے کی بات کہی گئی، ایک فرقے کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پورے ملک میں پیار ومحبت کی بجائے نفرت کی آگ بھڑکنے لگی اور ہمارا ملک جو امن وشانتی کے لیے پوری دنیا میں پہچانا جاتا تھا وہ ظلم اور عصبیت کے لیے پہچانا جانے لگا۔ یہاں تک کہ حقوق انسانی کی بین الاقوامی تنظیموں نے ملک کے بارے میں شرمناک اور افسوسناک رپورٹیں شائع کیں۔ ان کی رائے ہے کہ بھارت میں حقوق انسانی کو پامال کیا جارہا ہے اور ایک فرقے کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔

کبھی کبھی یہ بات بھی کہی گئی کہ اگر انفرادی ملکیت کے بجائے قومی ملکیت کا نظام ملک میں نافذ ہوجائے تو کرپشن دور کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ کمپنیاں اور تجارتی اداروں کا نیشنلائزیشن کیا گیا۔ بہت سے بینکوں کو قومیایا گیا ایک طرح سے نصف اشتراکی نظام ملک میں نافذ کیا گیا لیکن ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے نتائج مزید بگاڑ کی شکل میں نمودار ہوئے۔ اس کے بعد یہ آواز اٹھی کہ پرائیوٹائزیشن ملک کے لئے سودمند ہے، بجائے اس کے کہ قومی ادارے ہوں ان اداروں کو انفرادی ہاتھوں میں دے دیں تو خوش حالی آجائے گی۔ چنانچہ کمپنیان اور تجارتی ادارے بیچے جانے لگے۔ حکومت نے سرکاری املاک کو پرائیوٹ ہاتھوں میں دے دیا۔ لیکن اس کا انجام اور زیادہ خطرناک شکل میں نظر آرہا ہے۔ ملک دیوالیہ ہوتا جارہا ہے۔ ملازمین کی تعداد کم کی جارہی ہے۔ تنخواہیں نہیں مل رہی ہیں، نئی بھرتیوں پر روک لگی ہوئی ہے۔ یہ وہ صورت حال ہے جو بہت دھماکہ خیز ہے۔ اب بہت سے تجربات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ محض نظام چلانے والے ہاتھوں کے بدلنے سے کوئی تبدیلی متوقع نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں اور میرا اس پر یقین ہے کہ معاشرے میں اگر انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطح پر احساس ذمہ داری پیدا ہوجائے۔ اور لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ ہمیں اپنے سے بالاتر ہستی کو جواب دینا ہے۔ وہ یہ یقین کرنے لگیں کہ ہم میں سے ہر فرد کو اپنے ایشور اور خدا کے سامنے حاضر ہوکر اپنے کاموں کا حساب دینا ہے۔ جب ہر بھارت کے باشندے کے اندر اپنے خدا کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا ہوجائے گا اور ہر فرد کی اصلاح ہوجائے گی تو اجتماعی ادارے اور ریاست بھی صحیح کام انجام دینے لگیں گے۔

اصل بگاڑ یہ ہے کہ انسان کے اندر سے ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ختم ہوگیا ہے۔ وہ خدا کے سامنے جواب دینے کے بارے میں نہیں سوچتا بلکہ ہر انسان کے سامنے اس کی دنیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ دولت کمانا چاہتا ہے۔ دولت کی ہوس نے اسے خودغرض، لالچی اور حرص کا بندہ بنادیا ہے۔ دولت کی چکاچوندھ نے انسان کو جانور سے بھی بدتر بنادیا ہے۔ اگر ہر انسان دوسروں کے حقوق ادا کرے خواہ اس کو اپنا حق ملے یا نہ ملے، کیوں کہ اسے اپنے خالق کو دوسروں کے حقوق کے بارے میں جواب دینا ہے۔ اگر ہر انسان میں جواب دہی کا یہ تصور جاگزیں ہوجائے تو کرپشن اور بگاڑ دور ہوسکتا ہے۔

جو لوگ جرم کرتے ہیں، جو قانون شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں ان پر قانون کا شکنجہ جرم کرنے کے بعد کسا جاتا ہے، قانون جرم ہوجانے کے بعد حرکت میں آتا ہے۔ مثال کے طور پر جب چوری ہوجائے اور پولس کو اطلاع دی جائے تب قانون اپنا کام کرنے کے لیے بڑھتا ہے جب کسی کی آبرو لٹ جائے تب قانون مجرم کو تلاش کرتا ہے۔ لیکن مذہب انسان کو جرم کرنے سے پہلے ٹوکتا اور روکتا ہے۔ وہ جرم کو سرزد نہیں ہونے دیتا۔ خدا کے سامنے جواب دہی کا احساس اسے جرم سے باز رکھتا ہے۔ دنیا کے تمام قوانین جرم کے بعد کچھ کرسکتے ہیں۔ صرف خدا کا قانون ہی ہے جو جرم ہونے سے پہلے مجرم کے پاؤں میں خدا کے سامنے حاضر ہونے اور جھنم میں جلائے جانے کی بیڑیاں پہناتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر تاریخ گواہ ہے۔ اگر تاریخ کا سچائی اور ایمان داری سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر صاف ہوجائے گی کہ خدا کے قانون نے اس معاشرے میں ایک انقلاب برپا کردیا تھا جہاں برائیاں اور جرائم اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ جہاں چوری، ڈکیتی، لوٹ مار لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا، جہاں جوئے، سٹے اور شراب کے مقابلے ہوتے تھے، جہاں لڑکیوں کو زندہ دفن کردیا جاتا تھا، جہاں انسان بیچے جاتے تھے۔ لیکن جب اس قوم میں احساس جواب دہی پیدا ہوگیا۔ جب وہ قوم خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے کانپنے لگی تب وہ قوم اور اس کے ذریعے قائم ہونے والی ریاست، امن وسکون، عدل وانصاف کا گہوارہ بن گئی، ایک عورت صنعاء سے حضرموت تک سونے چاندی کے زیورات پہنے چلی جاتی تھی اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا تھا۔ تاریخ کی آنکھوں نے وہ منظر بھی دیکھا جب شراب اور جوئے کے دلدادہ اسے روکنے والے بن گئے، جب عصمتوں کو لوٹنے والے خواتین کے محافظ بن گئے، اونٹ اور بکریوں کے چرواہے دنیا کے امام بن گئے۔ اگر آج بھی ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک اور ساری دنیا امن وسکون کا گہوارہ بنے، یہاں عدل وانصاف کے پھول کھلیں، یہاں امن وشانتی کی فضا قائم ہو، پیار ومحبت کے گنگ وجمن بہیں تو ہر شخص کو اپنے اندر احساس ذمہ داری اور خدا کے سامنے جواب دہی کے تصور کو جاگزیں کرنا ہوگا۔

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اوپر دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائیل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کردیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile: 9576507798 رابطہ اور واٹس اَپ نمبر

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

(منیجر نقیب)